ریاض مختاریہ

سلطنت آصفیہ

مؤلفہ
میر دلاور علی دانش مرحوم

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد
سنہ ۱۹۴۲ء

فہرست مضامین ریاض مختاریہ سلطنت آصفیہ

مضمون	صفحہ
حمد و نعت اور مدح اعلیحضرت مدظلہ العالی	۱۷
دعا و ثنائے اعلیحضرت	۱۸
مدح شاہ و وزیر	۱۹
سبب تالیف کتاب	۲۰
سوانح عمری سر سالار جنگ مغفور نہ لکھنے کا افسوس	״
تعریف مرقد عبرت	۲۱
افسوس وقت گذر جانے کا اور مولف کا حال	۲۲
مولف کے والد کا ذکر اسلئے تواریخ پیش نظر	۲۳
مقصود و نام تالیف	۲۴
مقدمہ	
تفصیل وزرا	۲۵
وصف سالار جنگ مغفور	۲۶
ذکر سلطنت آصفیہ	״

مضمون	صفحہ
عذر مولف	۲۷
ذکر خواجہ اویس قرنی کا	۲۹
ذکر شیخ اویس ثالث کا	۳۰
ذکر علی عادل شاہ اور ملا احمد نایت کا	۳۱
ملا احمد کا بیجاپور سے دہلی روانہ ہونا	۳۲
ذکر درگاہ قلیخاں سالار جنگ کا	۳۳
سالار جنگ موصوف کی ترقی کا ذکر	۳۴
معزولی و رحلت کا ذکر	״
انکی اولاد کا اور شیخ اویس ثالث کا ذکر	۳۵
ذکر حیدر یار خاں بہادر شیر جنگ کا	۳۹
اُن کی ترقیوں کا ذکر	۴۰
دیوانی کا ذکر اور اوصاف	״
ترک خدمت کر کے اورنگ آباد میں رہنا اور رحلت	״

باب اول

موازنہ ۱۲۸۶ف و ذکر دیوانی سابق	۸۳
مداخل و مخارج زمانہ سابق	״
قرضہ و زیرباری ریاست	״
ذکر قرضہ عرب و مالگزاری زمانہ سابق	۸۶
مالگزاری وغیرہ سابق	״
ذکر مداخل و مخارج سابق	״
اخراجات	۸۷
تختہ مداخل تعلقات دیوانی	۹۰
تختہ مخارج علاقہ دیوانی	۹۱
نایابی تنخواہ و عسرت منصبداران وغیرہ	۹۲
تباہی جاگیرداران	۹۳
طریقہ ضبطی و تعلقداری زمانہ سابق	״
ناجائز پٹیاں اور تباہی رعایا	۹۴
عمل راجہ رام بخش و زیرباری ریاست	۹۵
خیانت تعلقداران زمانہ سابق	۹۶
قرضہ و زیرباری ریاست	۹۷
سخت تقاضائے قرضۂ انگریزی	۹۷
عربوں کی ساہوکاری و تعلقداری وغیرہ	۹۸
تعدی عرب و ذکر رحلت سراج الملک	۱۰۰
تعدی عرب	۱۰۲
جنگ عرب و افغانان	״
تعدی عرب	۱۰۳
قتل اکرام الدولہ مرحوم	״
قتل دختر منصبدار اور عربوں کا زور و شور	۱۰۴
وجہ زور و شور وغیرہ عرب	۱۰۵
قصاص عرب با اختیار عرب	۱۰۶
تعدی افغانان مہدویہ بر دوکان لالہ برجناتھ	۱۰۷
قتل برادر زادہ مولوی مرتضی	۱۰۸
مباحثہ و پرخاش با مولوی عبدالکریم مسجد واقع منڈی	۱۰۹
یورش مہدویان اور جنگ مسجد موصوف پر	۱۱۰
قتل مولوی موصوف وغیرہ	۱۱۱
اجتماع مخلوق حیدرآباد انتقام کے لئے	۱۰۲
یورش چنچل گوڑہ پر	۱۱۳

رکن الدولہ کا ذکر	۴۲	بنائے پنجہ شاہ مع حوض وغیرہ
قتل وغیرہ رکن الدولہ بہادر کا ذکر	۴۳	بنائے باغ بارہ دری
محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ کا حال	۴۴	بنائے مسجد منڈی و عیدگاہ و حصار کربلائے معلی وغیرہ
ذکر دیوانی در حلت و اوصاف	۴۵	ذکر اولاد در حلت میر عالم مرحوم
جہاں پرور بیگم صاحبہ وغیرہ اولاد بہادر موصوف کا ذکر	۴۷	علم و فضل میر عالم مرحوم
اولاد کا ذکر	۴۸	معقولیت و تدین
ارسطو جاہ بہادر کا ذکر	۵۱	احوال علے زمانخان بہادر منیر الملک ثانی
جاگیر دیوانی و خطاب اعظم الامرا کا ذکر	″	شادی منیر الملک بہادر با صبیہ میر عالم بہادر
مہمی پونہ سے اور خطاب ارسطو جاہ بہادر	۵۲	ذکر اولاد در حلت صبیہ موصوفہ
ذکر سلیمان جاہ بہادر بفرزندی ارسطو جاہ بہادر	۵۳	ذکر اولاد منیر الملک بہادر ثانی
بنائے شیر آباد و سرور نگر وغیرہ	″	شادی بہادر موصوف با صبیہ دوم میر عالم بہادر
ذکر میر عالم بہادر کا	۵۵	اولاد از بطن صبیہ دوم موصوفہ و ذکر دیوانی
فتح کلکتہ و سرنگ پٹن	۵۷	ذکر دیوانی وغیرہ
دیوانی میر عالم بہادر و پیشکاری راجہ چندو لال بہادر	۵۸	ذکر دیوانی و دربار راجہ چندو لعل بہادر
بنائے تالاب	۵۹	شاعری و استعفائے دیوانی۔ ذکر راجہ رام بخش
تالاب سے نہر بلدہ میں آنے کا بیان	۶۰	وزارت امیر کبیر بہادر
نایابی آب شیرین بزمانہ سابق	″	وزارت سراج الملک بہادر

خانہ جنگیاں وغیرہ مدامی بلدہ میں	۱۴۶
بدامنی زمانہ سابق	۱۴۷
بدامنی بیرون بلدہ ذکر نادر شاہ	۱۴۸
بدامنی اور خرابی راستوں کی	۱۴۹
بدانتظامی کرورگری زمانہ سابق	″
انسداد تحصیل دربانان شہر پناہ	۱۵۰
خرابی سکہ زمانہ سابق	۱۵۱
طبابت زمانہ سابق	۱۵۲
طبابت زمانہ حال	۱۵۳
حکایت مشہور طبیب کی	۱۵۴
تعلیم اطفال زمانہ سابق	۱۵۵
سابق زمانے کے کاغذ	۱۵۶
کاغذ سرخ و افشاں	۱۵۷
تصویر رقعہ مروجہ زمانہ سابق	″
طرز تحریر رقعہ دعوت زمانہ سابق	۱۵۸
بیان روشنائی و سرخی وغیرہ	۱۵۹
قلم زمانہ سابق	۱۶۰
بنائے دار العلوم بعلاقہ نواب صاحب مغفور	۱۶۰
بیان لباس وغیرہ قدما و نواب صاحب مغفور	۱۶۲
دستار وغیرہ عہد عالمگیر بادشاہ	۱۶۳
فی الحال خاندانی دستار نواب صاحب مغفور	۱۶۴
اقسام دستار وغیرہ	۱۶۶
دستار بر خاندان	″
دستار خاندان سرتاج جنگ بہادر	″
دستار وغیرہ خاندان طالب الدولہ	۱۶۹
نور الامرا امیر کبیر بہادر	۱۶۹
ذکر کلاہ وغیرہ نواب صاحب مغفور	″
لباس قدما	۱۷۰
لباس اور ہتھیار وغیرہ کا بیان	۱۷۲
تلوار اور قبضوں کا ذکر	۱۷۴
اقسام طلاکاری قبضوں کی	۱۷۵
علی بند اور لباس سیاہ پوشیدہ وغیرہ	۱۷۶
لباس نواب صاحب مغفور وغیرہ	۱۷۷
پاتابہ۔ اقسام کفش قدما	۱۷۸

جدال و قتال چنچل گوڑہ پر ١١٢

محاصرۂ فوج انگریزی و اخراج فرقۂ مذکور ١١٣

قتل صدر الصدور بدست مہدوی ١١٥

قتل مولوی محمد زماں خاں صاحب بدست مہدوی ١١٦

حملہ سراج الملک بہادر پر تنخواہ کے لیے ١١٧

حملہ دوم بہادر موصوف پر ،،

جنگ راجہ راؤ رنبھا کلاں منج فی سے ذکر عیداجی کا ١١٨

ذکر راجہ موصوف و زور و شور سکھاں ١١٩

دنگے سپاہ کے بارگاہ شاہی پر قزاقی رہیلوں کی ١٢٠

ڈاکے رہزنیاں۔ پولیس زمانہ سابق ،،

گشت پولیس زمانۂ سابق کی ١٢٣

امیر علی ٹھگ شہر میں آکر ایک دلال کو پانا ١٢٤

دلال مذکور سے یہاں کے چوروں کا مخزن معلوم کرنا ١٢٥

قتل دلال مذکور بدست امیر علی ٹھگ ١٢٦

مخزن مذکور پر جانے کی تجویزیں ١٢٧

مخزن پر جاکر قتل کرنا وہاں کے محافظ کو ١٢٨

اور دو چوروں کا قتل اور جملہ مال وہاں سے اٹھا لانا ١٢٩

تجویز غارت گری اور گرفتاری سرفراز خاں ٹھگ ٣٠

قید سے چھڑا لینا سرفراز خاں کو ٣١

طالب الدولہ کوتوال کا ذکر ٣٢

کوتوال مذکور اور میر رضا علی خاں سے جھگڑا ٣٥

ثبوت اور محمد مراد علیشاہ چشتی مع فرزند کا ذکر ،،

فساد نایک کوتوالی مذکور با خان موصوف ،،

طلب الطلب کوتوالی جانا خان موصوف کا ٣٦

معذرت کوتوال بذکر جلسۂ جانشینی مولف ٣٧

بیان دعوت معززین بروز جلسہ ،،

تمنائے جانشینی و ظاہر کرنا انشاد کا مولف کو ،،

پڑھا جانا قطعۂ تاریخی منظومۂ جناب حاجی صاحب کا ٣٨

بلوا عوام الناس کا فرقۂ شیعہ پر ٣٩

پیش رو ندگی مسجد و مرزا عباس مرثیہ خوان کا قتل ،،

اور دوبارہ میر صلابت علی صاحب کے مکان پر بلوا ٤٢

زخمی ہونا رضا علیخاں کا اور ہنگامۂ عوام الناس ٤٣

قتل و تس کے بعد قید کرنا باقی معززین کو ٤٤

بناہی و بحالی میر موصوف کا ذکر ٤٥

خصایل اہل زمانہ سابق و عیش پسندی	۲۱۲
حسن انتظام زمانہ حال	״
انتظام عدالت اور عروب کی خودسری	۲۱۳
نقص قضایائے عروب و محکمہ اجرائی اعمال	۲۱۴
کمال کوشش مغفور انتظام عدالت میں	۲۱۵
ذکر جہرانہ قاضی صاحب کا	۲۱۶
انسداد جہرانہ و تجدید مہر وغیرہ	״
تدارک عدول حکمی محمد سعید خاں ناظم عدالت	۲۱۷
انتظام کوتوالی و تحریر دیوانی کا ذکر	۲۱۸
تخفیف تحریر دیوانی و خیر خواہی ریاست	۲۱۹
انتظام تقسیم ماہوارات ماہ بماہ	۲۲۰
ماہوار ماہ بماہ سے خوشحالی لازم ہونی	۲۲۱
مغفور سے عام رضامندی	۲۲۲
حین انتظام میں سخت مشکلات کا سامنا مغفور کو	۲۲۳
غدر دہلی و طرہ باز خاں کا حملہ ریزیڈنسی پر	۲۲۴
انسداد حملہ مذکور	۲۲۵
فراری طرہ باز خاں مع ہمرہی	۲۲۶
گرفتاری طرہ باز خاں وغیرہ	۲۲۷
ضیافت مغفرت مکان محل وزارت میں	۲۲۸
و فعتاً برخواستے مغفرت مکان باغوا حاسدان	۲۲۹
بارگاہ شاہی میں مغفور پر قرابین فیر ہونا	۲۳۰
حملہ مغفرت و وصف مغفور زبانی ٹوڈ صاحب وغیرہ	۲۳۱
معرکہ قرابین کا بیان	״
فتح علی خانساماں کی جاں نثاری	״
قدردانی سراج الملک بہادر	۲۳۴
ذکر اولاد خانساماں مذکور اور بندوق چلنا مخبر وغیرہ	״
انتظام جدید کی بنا	۲۳۶
اصرار مغفور و انکار منصبداران خدمت سے	۲۳۸
دیکھ سمجھ کر عہدہ دینا مغفور کا	۲۳۹
مشکلات انتظام و سرکار جنگلیاں وغیرہ	۲۴۱
سرکشی و فساد عروب وغیرہ	״
بنائے فوج باقاعدہ ۔ ندی سے نہر تالاب میں	۲۴۲
نہر ابراہیم پٹن کے تالاب میں	۲۴۳
انتظام قحط زدگان و امداد کا بیان	۲۴۴

لباس اطفال و مستورات قدیم ۱۷۹
تقاریب زمانہ سابق ۱۸۰
شربت خوری و تقسیم نورہ وغیرہ ۱۸۱
پاندان وغیرہ ۱۸۲
خصایل قدما ۱۸۴
خصایل و پردہ و سواری مستورات قدما ۱۸۵
سواری مردانہ اور گھوڑ پال ״
عدم صفائی زمانۂ سابق ۱۸۹
قدیم راستوں کی حالت ۱۹۰
تنگی شاہراہ کا حال ۱۹۱
چارکمان چارسو کا حوض چارمنارہ کا حال ״
لاڑ بازار کا ذکر ۱۹۲
توسیع شاہراہ اور چوک ۱۹۳
عدم آبادی زمانۂ سابق ۱۹۴
آبادی حال و پیش اندیشی غفران منزل اور منصبداروں کا ذکر ۱۹۵
تاسف منصبداروں کے حال پر ״

باب دوم

سرسالار جنگ مغفور کا حال ۱۹۷
تعلیم و تربیت کا ذکر ۱۹۸
اعتبار و لیاقت مغفور بزمانۂ صاحبزادگی ۱۹۹
بحالی جاگیرات و وزارت مغفور ۲۰۰
تردید قول مولف رشید الدین خانی ۲۰۱
اظہار خیالات و عزم مغفور ۲۰۲
آغاز دیوانی مغفور اور لوگوں کے خیالات ۲۰۳
جمشید جی معتمد کا ذکر ״
تحقیق جرم و اخراج معتمد مذکور ״
کمی مداخل کی وجہ سے پریشانی ۲۰۵
مطالبۂ تنخواہ و رہن جواہر شاہی ۲۰۶
انتظام مالگزاری و افزایش محاصل کی فکر ۲۰۷
ثبیات ناجائز کی موقوفی ۲۰۹
بعض محصولات کی معافی ״
حسن انتظام خزانۂ عامرہ و دفتر صدر محاسبی وغیرہ ۲۱۰
انتظام کا بیان ۲۱۱

آمدنی وغیرہ عدالت کا تخمینہ	۲۸۲	خرچ تعلیمات	۳۰۲
اخراجات کوتوالی تخمینہ	۲۸۴	دار الطبع اور طبابت کا انتظام	〃
اندازہ خرچ دفاتر مستغرقات و منصب	۲۸۵	واپسی و ادائی فاضلات سابقہ	۳۰۳
تخمینہ خرچ جمعیت کا	۲۸۷	ادائی قرضہ کا بیان	۳۰۳
تعمیرات کا تخمینہ	۲۸۸	تختہ تصفیہ ساہوکاران	۳۰۴
خرچ تیاری ریل سرکار عالی	〃	انتظام ماہوارات اقربائی خاص وغیرہ	۳۰۷
بقایائے زر نقد و تفصیل قرضہ	۲۸۹	ترقی تجارت کا بیان	۳۰۸
تفصیل قرضہ	〃	انتظام سکہ و تعلیمات	۳۰۹
تختہ مقابلہ محاصل	۲۹۳	تعلیمات	۳۱۰
تختہ اضافہ	۲۹۴	عنان اختیار بدست مغفور مختار	۳۱۱
وجوہ اضافہ و اخراجات	۲۹۵	کثرت کار مغفور کا بیان	۳۱۲
تختہ جات رقم مالگزاری	۲۹۶	کثرت کار و مشہوری اوقات	۳۱۳
تختہ ترقی محاصل	۲۹۷	حسن اخلاق و شوق کار مغفور	۳۱۴
تفصیل رقم معافی و رعایت	۲۹۸	عہدہ داران اضلاع کی خبر رکھنے کا طریقہ	۳۱۵
تختہ رقم مالگزاری سنہ ۱۲۸۲ف وغیرہ	۲۹۹	جمعداران عرب جاں نثار مغفور	〃
تختہ رقم سنہ ۱۲۷۷ف وغیرہ	۳۰۰	بنائے باغ عام و شہر گاہ و ملک پیٹھ	۳۱۶
انتظام پٹہ	۳۰۱	بنائے صدر مجلس و درستی گنبد ہائے قطبیہ	۳۱۸

مغفور کا تحمل و استقلال بوقت نا لائقی کی در اندازیاں ۲۴۵

مغفور کی کم ملالی و کمال استقلال ۲۴۶

جلوس غفران مکان ۲۴۹

تقرر کو ریجنٹ۔ ادعائے سلطنت روشن الدولہ بہادر ،،

قدردانی مغفرت مکان کا ذکر ۲۵۰

خوش اعتقادی مغفرت مکان ۲۵۱

غفران منزل کی قدردانیاں ۲۵۲

خاصے کی چھڑی مرحمت فرمانا مغفور کو ۲۵۳

چکنی ڈلی مع ڈبیہ مرحمت فرمانا ۲۵۴

انگشتر بھیجنا ۲۵۵

اخیر یاد فرمائی ۲۵۶

اخیر عزت افزائی اور وصیتانہ ارشاد ۲۵۷

مغفرت منزل و غفران منزل کی قدردانی شرفا ۲۵۸

قدردانی مغفرت مآب نسبت امرا ۲۵۹

ذکر مآل اندیشی و بلند حوصلگی مغفرت مآب ۲۶۰

قدر وزیر مغفور اور دہلی میں تخت پر بیٹھنے کا ذکر ۲۶۱

دعوت ولیعہد و ملکہ معظمہ میں اعزاز مغفور کا ۲۶۲

اقبال مغفور اور واقعہ جلسہ مدار الامرا بہادر ۲۶۳

تجویز معذرت رزیڈنٹ بہادر سے ،،

تقرر چہار صدر المہامان ۲۶۴

دورہ ضلع بیدر کا بیان ۲۶۵

فہرست ہدایات و حکم تحریری متعلق سفر بیدر ۲۶۶

نقل حکم مذکور ،،

معاینہ مدرسہ وغیرہ اور ہدایت مغفور تعلقدار وغیرہ کو ۲۶۹

ختم ہدایت اور واپسی بیدر سے ۲۷۳

جمع خرچ کل دیوانی مغفور بمقابلہ موازنہ سنہ ۱۲۸۰ف ۲۷۴

تختہ اضافہ مالگزاری وغیرہ ۲۷۶

وجوہ اضافہ مالگزاری ۲۷۷

اخراجات و اصلاح مالگزاری کا ذکر ۲۷۸

اخراجات طلبداران وغیرہ و پیمائش بندوبست کا ذکر ،،

انتظام بندوبست ۲۷۹

آمدنی کروڑگیری کا تخمینہ ۲۸۰

آمدنی کاغذ مہور کا اندازہ ۲۸۱

پاس ولحاظ ولی نعمت مغفور کو ۳۵۰
ادب وخیرخواہی ولی نعمت ۳۵۱
عقاید مغفور ۳۵۴
بے تعصبی مغفور کی ۳۵۵
تدین مغفور کا ''
اوصاف مغفور زبانی لارڈ رپن ۳۵۷
اوصاف مغفور ۳۵۹
رحلت مغفور کا بیان ۳۶۰
جنازہ مغفور کا بیان ''
دعا در حق خاندان نواب سالار جنگ بہادر ۳۶۱

ضمیمہ

منیر الملک بہادر ثانی کا ذکر ۳۶۳
طفلی میں بیمار ہونا مغفور کا اور تصدق ہونا جد کا ۳۶۴
حالات طفولیت مغفور ''
ذکر دیوانی وشادی مغفور ۳۶۵
ذکر خاندان عروس مغفور ۳۶۶
بنائے خانہ باغ وروشن باغ .
تولد رحلت وختر ۳۶۷
بڑی صاحبزادی صاحبہ کا تولد اور شادی ۳۶۸
اکرم الدولہ بہادر کا حال ۳۶۹
چھوٹی صاحبزادی صاحبہ کا تولد اور شادی ۳۷۰
نواب منیر الدولہ عماد السلطنت کا ذکر ۳۷۱
تہنیدہ تاریخی تقریب دیوانی مرحوم موصوف ''
ذکر وفات ووصف حافظہ مرحوم موصوف ''
شجاعت ودلیری مرحوم موصوف ۳۷۳
سخاوت ولیاقت وذکاوت مرحوم ۳۷۴
وفاداری مرحوم ۳۷۵
منیر الملک ثالث کا ذکر ۳۷۷
رحلت منیر الملک بہادر ثالث اور انکی تعلیم کا ذکر ۳۷۸
ذکر میلاد نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ ۳۷۹
انتظام اسٹیٹ بذریعہ کمیٹی وسرور الملک بہادر ۳۸۱

درستی حالات امر شدزادگان بنائے محکمہ صفائی	۳۱۸
صفائی و توسیع شاہراہ اندرون وبیرون بلدہ	۳۱۹
ترمیم چار مینارہ و گلزار حوض	۳۲۰
بادشاہی عاشور خانہ محبوب چوک دروازہ دبیرپورہ	۳۲۱
صوبہ برار کا ذکر	۳۲۲
کمال تمنائے واگذاشت برار مغفور کو	״
انتہائے کوشش مغفور و لیت و لعل لارڈ سالسبری	۳۲۳
شکریہ مغفور جو لارڈ کننگ وغیرہ نے ادا کیا ہے ازروے کتاب نارٹن	۳۲۴
شکریہ و اعزاز مغفور کا کورٹ آف کامن کے جلسہ میں	۳۲۵
ستایش مغفور	۳۲۶
شکریہ مغفور	۳۲۷
توصیف مغفور	۳۲۸
ختم شکریہ اور دعا مغفور کے حق میں	۳۳۰
اوصاف مغفور	۳۳۱
مغفور کو خطاطی میں دخل	۳۳۲
قدردانی خوشخطی	۳۳۳
مذاق نظم و نثر مغفور	۳۳۳
حسن خلق و مروت مغفور	״
معلومات علوم و فنون مغفور	۳۳۴
حزم و وقار و جلوس سواری مغفور	۳۳۵
جلوس سواری کا بیان	۳۳۶
وقار و تحمل مغفور کا ذکر	۳۳۷
ضبط و تحمل مغفور	۳۳۸
ضبط و استقلال و فیض و کرم مغفور	۳۳۹
ذکر تحفوں کا جو حاکم عدن کو دیے	۳۴۰
انعام و اطعام جملہ اہل جہاز کو	״
فیاضی و نیک طینتی مغفور	۳۴۲
مروت و علم مغفور کا ذکر	۳۴۳
حسن خلق مغفور	۳۴۴
دشنام دہی میر کاظم علی صاحب منشی و تشہیر فانوازی مغفور	۳۴۵
باوجود خلق مروت مغفور کا رعب	۳۴۶
تہذیب و ایفائے وعدہ مغفور کا ذکر	۳۴۸
لحاظ تعمیل حکم مغفور کو	۳۴۹

القاب سلاطین آصفیہ بعد رحلت

۱ ۔ آصف جاہ بہادر اول
مغفرت مآب

۲ ۔ میر نظام علیخان بہادر آصفجاہ ثانی
غفران مآب

۳ ۔ سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث
مغفرت منزل

۴ ۔ ناصر الدولہ بہادر آصفجاہ رابع
غفران منزل

۵ ۔ افضل الدولہ بہادر آصفجاہ خامس
مغفرت مکان

۶ ۔ میر محبوب علیخان بہادر آصفجاہ سادس
غفران مکان

القاب میر تراب علی خاں بہادر مختار الملک مغفور مندرجۂ ریاض مختاریہ

نواب صاحب مغفور — مغفور اوّل — مغفور — سالارجنگ اعظم

کیفیت معافی نامہ بہادر موصوف	۳۸۱
انتظام اسٹیٹ نظامت راجہ للتا پرشاد	؍؍
ترمیم قصر بارہ دری	۳۸۲
دربار سالگرہ مبارک و خطاب سالار جنگ بہادر	۳۸۳
کیفیت دربار	۳۸۴
بنائے یوسف بازار	۳۸۵
ذکر صدمہ و صحت دست بہادر ممدوح	۳۸۶
تقریب روزہ کشائی بہادر ممدوح	۳۸۷
تقسیم کلام اللہ جو سیدی عنبر خانساماں نے کی ۔	۳۸۸
خانساماں مذکور کے اوصاف	۳۸۹
ذکر دوسرے ہاتھ کے صدمہ و صحت کا	؍؍
تقریب سفر و جاگیر خود اختیار	۳۹۱
واپسی بہادر ممدوح ۔ وفات دلہن پادشاہ	؍؍
اوصاف بہادر ممدوح	۳۹۲
کاہش بہادر ممدوح بسبب عدم اختیار اسٹیٹ	۳۹۳
سفر دہلی بہمراہی اعلیحضرت مدظلہ العالی	۳۹۴
مراجعت از دہلی و حصول اختیار اسٹیٹ	؍؍
قصیدہ تہنیت و تاریخ حصول اختیار	۳۹۵
سرفرازی عہدہ وزارت بہادر ممدوح	۳۹۰
اوصاف و قطعہ تاریخ وزارت	؍؍
تاریخ قدوم شاہزادہ جاہ مند دلفزای بہادر ممدوح ۔	۴۰۱
تاریخ ختم تالیف کتاب ہذا	۴۰۲

محمد دلاور حسین [illegible]

[illegible]

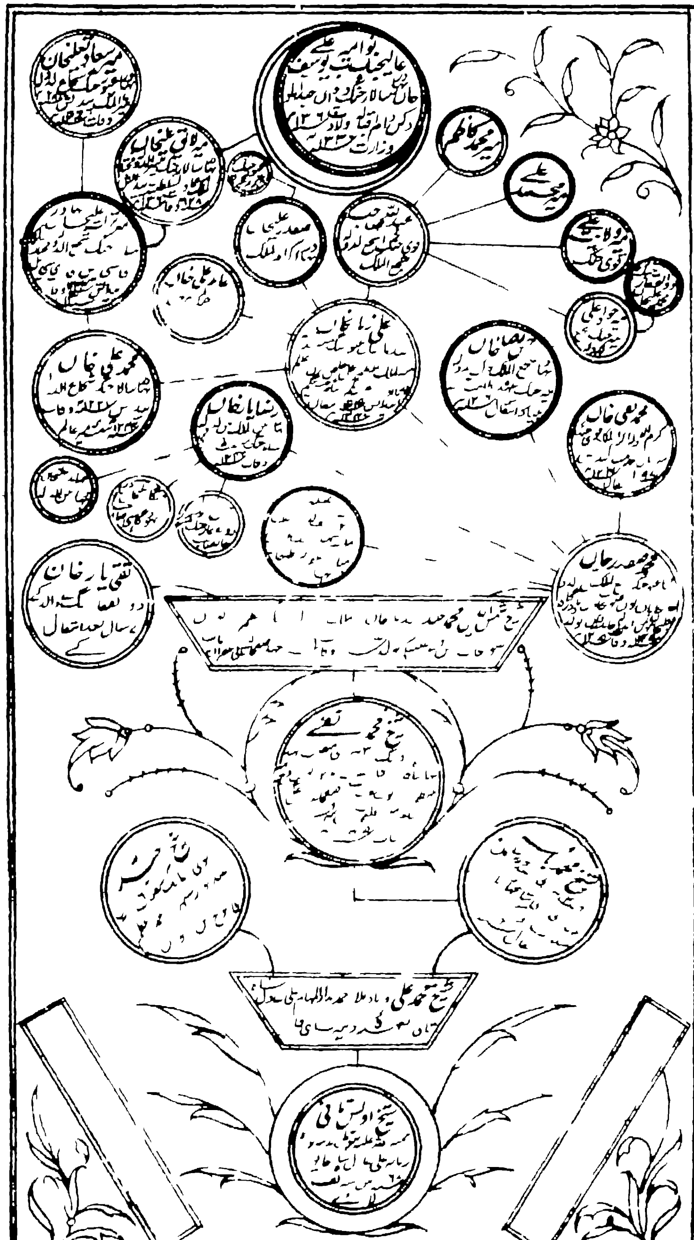
میر محمد کاظم
تقی یار خان
شیخ محمد تقی
شیخ اویس ثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حمد و ثنا بے حد و بے شمار اس خلاق جہاں کی جس کے نظام عالم کو دیکھ کر حکمائے کاملین و انبیائے مرسلین کی عقل حیران ہے۔ گرچہ کما حقہٗ دیکھنے اور سمجھنے کے لائق بصیرت و ادراک کسی کو کہاں ہے جل جلالہ عظم شانہٗ۔ مگر ہاں! وہ سمجھ سکتا ہے جس کو خلاق عالم نے اپنے نور پاک سے بنایا ہے۔ اور بصیرت و ادراک کامل سے سرفراز فرمایا ہے۔ یعنی سالار انبیا محبوب خدا احمد مختار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الاطہار و اصحابہ الاخیار وسلم۔

بعد حمد ایزد پاک و نعت شہ لولاک واجب ہے دعا و ثنائے پادشاہ عہد و ولی نعمت رعایا پرور عدل گستر منبع فیض و عطا۔ معدن رحم و سخا نواب مستطاب عالی جناب فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ سابع ظل اللہ اعلیٰ حضرت

والسلام۔ پروردگار کیوں نہ شاد و آباد رکھے گا کہ اس ریاست میں پرورش اُس کے بندوں کی ایسی ہے کہ کسی ریاست میں نہیں ہے۔

بعد دعا و ثنائے شاہ ذی جاہ نیز لازم ہے ستایش وزیر سلطنت کی۔ **وزیر** بھی وہ جس کے اوصاف حمیدہ مغفور کا نمونہ یہ کتاب ہے۔ کتاب نہیں بلکہ ابواب اوصاف موصوف میں کا ایک باب ہے۔ یعنی نیر آسمان امارت و وزارت۔ معدن مراحم و مروت۔ ذکی الطبع کریم النفس۔ سخن شناس نکتہ رس **مولفہ** ؎

از نیاب و بہ کلام واقف　　　آقا و مربی مولف

وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر سلطنت آصفیہ عالی جناب نواب **میر یوسف علی خاں سالار جنگ بہادر** دام اللہ اقبالہ۔

واہ کیا عہد مبارک ہے کہ جب شاہ ذی جاہ نوجوان با عقل ہیں تو وزیر بھی تازہ جوان باتمیز ہیں۔ وہ شہریار قدر دان تو یہ نواب والا... وہ خدیو سکندر صولت تو یہ دستور ارسطو فطرت۔ وہ دریائے ... تو یہ رعایا پرور تو یہ ... عدل گستر۔ وہ مہر سپہر ... آصف جاہی تو یہ ... پروردگار خاندان منیر الملک خلد آرام گاہ کا ہے۔

حافظ حقیقی اس شاہ و **وزیر** کو ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں خوش و خرم اور عدل گستری و رعایا پروری میں شہرۂ عالم رکھے ؎

خدایا ز چشم بداں دور باد
بد اندیش شاں خوار و مقہور باد

بندگانِ عالی مدّ ظلّہ العالی مادامت الایام و اللّیالی ۔ لمؤلفہ

مورد الطاف حق فضل الہ — حبذا عثمان علیخاں بادشاہ
نوجوانی میں ہوئے گو حکمراں — عقل سے لیکن ہوئی پیری عیاں
قدردان ماہر کار سخن — صیرفی دانشمند ارسخن
قدر افزائے ہنرمندان ملک — پرورش فرمائے پابندان ملک
رحم و جود و ضبط و عزم و حزم و حجم — کاربند انتظام رزم و بزم
ہیں بحمد اللہ حاصل ذات والا — یوں نمایاں ازرہ ظل اللہ لہ
معدلت سے ملک و ملت شاد ہے — ملک دکن ہے خرم و آباد ہے
کون ہے دنیا میں ایسا پادشاہ — پرورش فرمائے مخلوق الہ
منصب و جاگیر و انعام سے — پالتے ہیں جو کہ کس آرام سے
فکر کیا پسماندگوں کی ہوں جب — فضل حق سے پالنے والا تو ہے
پشت تھا ملتے یوں ہی آئے ہیں سب — ہیں ہوئے ظل اللہ تربیت لقب
خوش رہیں یارب بحق پنجتن — بندۂ آصف جاہ سلطان دکن

سلطنت آباد یہ دایم رہے
حکمرانی شاہ کی قایم رہے

رازقُ العِباد اس بندہ پرور پادشاہ کو مع شہزادگان بلند اقبال خرم و شاد اور سلطنت کو دایم آباد رکھے بحق محمد و آلہ الامجاد علیہم الصلوٰۃ

کسی سفر کا سفرنامہ تک نہ لکھا۔ منشی محمد صدیق صاحب ناظم دفتر ملکی نے جو مختصر سفرنامہ لندن کا لکھا ہے جس کو ان کے عزیزوں نے سفرنامہ مختار الملک مغفور قرار دے کر طبع کرایا ہے، وہ دراصل سفرنامہ منشی صاحب موصوف کا ہے کیوں کہ اس میں جس قدر اپنی سرگزشت مفصلاً لکھی ہے اس قدر مغفور کے حالات نہیں۔ بسا تواریخ چھوٹ گئی ہیں کہ ان میں مغفور کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ نواب خان خاناں بہادر، بیدی علیہ خانساماں وغیرہ ہمراہانِ مغفور سے اکثر حالات مغفور کے سنے گئے ہیں اور مرقعہ عبرت میں مندرج ہیں جو سفرنامہ مذکور میں نہیں ہیں۔ پس ایسی حالت میں مولوی سید حسین صاحب بلگرامی، نواب عماد الملک بہادر نے جو مغفور کے دلی خیر خواہ و معتمد خاص و واقف کار تھے بعد وفات نواب صاحب مغفور مختصر سوانح عمری مغفور کی انگریزی میں جو تالیف کی ہے جس کا ترجمہ مولوی مہدی حسن نے شستہ اور برجستہ طور سے اردو میں کر کے **مرقعہ عبرت** نام رکھا ہے۔ وہ نہایت اعلیٰ و عمدہ تالیف ہے۔ خاندانی حالات اور بد انتظامی زمانہ سابق وزیر باری ریاست کی نسبت اور واقعات متفرقہ و نیز اور جو انتظام ملک میں از ابتدائے مدار المہامی تا زمانہ وفات جس قدر مشکلات اس وزیر باتدبیر نے اٹھائی ہیں اور جاں فشانیاں کی ہیں وہ سب مرقعہ عبرت میں مختصر و مفید بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سوء انتظام زمانہ سابق کا بیان بھی مختصر ہوا ہے حالاں کہ وہ جس قدر مفصل بیان کیا جائے مناسب تر ہے تاکہ اس وزیر باتدبیر وفادار کی کارگزاریاں اہل زمانہ حال و آئندہ پر بخوبی انکشاف پائیں اور اس وزیر مغفور کی جاں فشانی ہائے سی سالہ کا (جو

سببِ تالیفِ کتاب

جس وقت سنہ ۱۳۰۰ھ میں مختار الملک مغفور اوّل نے رحلت کی تو سب کو یہ خیال تھا کہ جب تک یہ ریاست ابد مدت قائم ہے اس وزیر باوفا کی جاں فشانیاں بھولی نہ جائیں گی۔ لیکن اس تیس برس کے عرصہ میں جو غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ خیال محض خیال تھا۔ کیونکہ جو مسن لوگ ملک کی خستہ حالی سابق کا معائنہ کئے ہوئے تھے سن طبعی کو پہنچ کر اکثر اُٹھ گئے اور اُٹھے جاتے ہیں۔ جو حضرات زمانہ مابعد کے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قدیم سے ملک کی یہی حالت تھی جو اس وقت ہے۔ فقط اتنا خیال ہے کہ مختار الملک مغفور دانشمند وعقیل مدار المہام گزرے ہیں۔ بلکہ بعض ناواقفوں کا خیال یہ ہے کہ غیر ملکیوں کو اس ملک میں مغفور نے بھر دیا اور عہدوں پر مسلط کر دیا جس کے باعث اہل ملک کو کوئی خدمت نصیب نہیں ہوتی ہے۔ اس خیال کی برطرفی تو باب دوم میں اس مقام پر ہوگی جہاں صیغہ بندی کا ذکر آئے گا۔ افسوس ہے کہ مغفور موصوف نے رفاہِ عام ملکی میں جو مشقتیں اٹھائی ہیں اور جو خون جگر تیس سال پیا ہے وہ ایسا نہ تھا کہ اس قدر جلد بھولا جائے۔ بلال الدولہ مرحوم۔ ناظم الدولہ مرحوم۔ صدیق یار جنگ مرحوم ناظم دفتر ملکی۔ حکیم باقر نواز جنگ مرحوم۔ حکیم حیدر نواز جنگ مرحوم۔ سید عبدالوہاب صاحب مرحوم وار وغہ باورچی خانہ وغیرہ۔ متوسلین وملازمین جو سفر وحضر میں حاضر رہتے تھے ان میں سے۔ تعجب ہے کہ کسی نے سوانح عمری نواب صاحب مغفور کی مفصل لکھنے کا خیال نہ کیا۔ اگر لکھی جاتی تو ایک تاریخِ عمدہ و تالیف فرخندہ مرتب ہوتی۔ حتیٰ یہ کہ

والد مولف کو جو اہلِ زبان و نہایت خوش لہجہ و خوش بیان تھے اتالیقی و تعلیم زبان فارسی کے لئے نواب میر تراب علی خاں بہادر سالار جنگ کی خدمت میں متعین فرمایا تھا۔ والدِ مرحوم کے اشعار جو کچھ مرقوم تھے طغیانی رود موسیٰ میں مع بیت و اثاث البیت تلف ہو گئے۔ چند شعر غزل کے جو مولف کے حافظے میں محفوظ رہ گئے سو یہ ہیں ؎

چوں جانب گلشن رود آں گلبدن من　　خواہم کہ شود خاک رہش جان و تن من
با غیر تو ہر گہ بہ تماشا بخرامی　　از رشک بہ تن چاک شود پیرہن من
آں خنجرِ شمر کہ تنت چناں بر جگرم خورد　　خوں تا بہ صفِ حشر چکد از کفن من

سیّد تو مکن نالہ و فریاد ازیں بیش
شاید کہ بہ دادِ تو رسد ذو المنن من

والد مرحوم فرماتے تھے کہ یہ غزل حسب ایمائے مغفور کہی گئی تھی۔ بجواب غزل محمد اعظم علی خاں امید۔

الحاصل خیال یہ ہے کہ مآثر الامرا۔ حدیقۃ العالم۔ مرقعہ عبرت رشید الدین خانی۔ خورشید جاہی۔ سوانح عمری امیر علی تھک۔ رسالۂ تالیف اللہ بچ ناتھ خیال۔ رسالہ امانی علاقہ برار۔ رسالہ خصوصیات اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہ۔ ہدیہ مہدویہ۔ روئداد حیدرآباد دکن۔ موازنہ بابتہ ۱۲۸۰ف جو ابتداءً بحکم مغفور اول مرتب ہوا تھا۔ نوبہار دکن۔ تاریخ دکن۔ مجموعہ قصائد و تواریخ عہد ارسطو جاہ مرحوم جس کا دیباچہ شاہ تجلی نے لکھا ہے۔ ایضاً مجموعہ بابت عہد

محض خیرخواہی سلطنت و رفاہِ عام میں کی ہیں) مقتضا بھی یہی ہے کہ جملہ اہل ملک اس خیرخواہ رئیس ورعایا کی ریاضتوں کو ہمیشہ قدر دانی کی نظر سے دیکھا کریں اور بہ آگاہی حالات بدنظمی زمانہ سابق و بملاحظہ حسن انتظام و فرط آرام زمانہ حال مغفور کو دعائے خیر کے ساتھ یاد کریں ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

مگر افسوس ہے کہ کمترین مولّف کو اس تالیف کی ضرورت نے ایسے بے سروسامانی کے وقت مجبور و مامور کیا ہے۔ کاش چند سال قبل انتقال مغفور اس امر کی توفیق ہوتی کہ اُس وقت آلام و آفاتِ دنیوی و ضعفِ پیری سے دل و دماغ مولّف کے محفوظ تھے۔ عہد وزارت مغفور ممدوح تھا۔ باخبران کبیر السّن موجود تھے۔ حالات اول و آخر باطمینان کامل فراہم و تالیف ہونے کی امید تھی۔ مگر اب کیا کیا چاہئے۔ کُل کے افسوس میں جُز کو بھی ہاتھ سے دینا خلاف عقل و دانش ہے۔ لہٰذا کمترین ہیچ مداں کج مج زباں نمک پروردہ موروثی سرکار عالی۔ وابستہ قدیمی در دولت سالارجنگی میر دلاور علی دانش ابن آقا سید علی رشتی مرحوم المتخلص بہ سید نے باوصفِ عدم لیاقت و پریشان خاطری وضعفِ پیری اس کام پر نظر بخدا کمر ہمت باندھی ہے۔ لفظ رشتی سے مراد یہ ہے کہ مولّف کے والد ماجد ملکِ رشت سے تھے جو من جملہ بلاد ایران ہے۔ بہ سن ہجری ۱۲۴۸ ھ سالگی اواخر عہد **مغفرت منزل** میں آکر ملازم سرکار عالی و شریک دربار شعرائے مہاراجہ مدارالمہام متوفی ہوئے۔ تا آں کہ ہمراہ مدار المہام خدمت سراج الملک بہادر میں آئے سو بس اسی در دولت سے مدت العمر خود مع اولاد وابستہ و متوسل رہے۔ سراج الملک بہادر نے

مرد دانا بہر چہ در نگرد عیب بگذارد و ہنر نگرد

ہست در عیب ہا ہنر بینی از میان صدف گہر چینی

مقدمہ واضح ہو کہ طبع نازک شاہاں متحمل زحمات شاقہ نہیں ہوتی ہے اس لئے انتظام سلطنت کا بار **وزیر** کے سر ہوتا ہے چنانچہ وزیر کے معنے بار اٹھانے والے کے ہیں۔ اب رہا انتخاب وزیر تو وہ بھی حسب مناسبت ہر زمانہ بہت اچھا ہوا ہے :-

(۱) حیدر یار خاں بہادر شیر جنگ منیر الدولہ منیر الملک اول

(۲) سید موسیٰ خاں بہادر نصیر جنگ رکن الدولہ

(۳) محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ اشجع الدولہ اشجع الملک خانخاناں

(۴) سہراب جنگ معین الدولہ مشیر الملک اعظم الامرا ارسطوجاہ بہادر

(۵) سید ابوالقاسم میر عالم بہادر

(۶) علی زماں خاں بہادر غیور جنگ منیر الدولہ منیر الملک ثانی

(۷) راجہ راجگان مہاراجہ چندو لعل بہادر

(۸) فخر الدین خاں شمس الامرا امیر کبیر بہادر

(۹) عالم علی خاں بہادر شیر جنگ سراج الدولہ سراج الملک

سلطنت آصفیہ کے یہ جملہ دیوان و وزرائے موصوف ماقبل مختار الملک مغفور اول منتظم و مدبر گذرے ہیں۔ ہر ایک نے خیر خواہیٔ آقا میں بقدر امکان جاں فشانی کی ہے اور داد وفاداری دی ہے از آں جملہ مشہور تر رکن الدولہ بہادر ارسطوجاہ بہادر

میر عالم مرحوم موسوم بہ بستان سخن ایضاً بابتہ عہد منیر الملک مرحوم موسوم بہ اوصاف منیر۔ ایضاً بابت عہد مختار الملک مغفور اول موسوم بہ حدیقۂ مختاریہ۔ سفرنامہ منشی محمد صدیق موسوم بہ سفرنامہ مختار الملک مغفور اول' وغیرہ کتب کتاب خانہ علاقہ سرکار فیض آثار نیر اعظم آسمان امارت۔ سراج منیر دودمان وزارت درثمین بحر فیض و کرم۔ سالار زمان امیر عالم۔ یوسف مصر عزت و اقبال۔ ماہِ منیر فلک جاہ و جلال عالیجناب نواب میر یوسف علی خاں بہادر سالار جنگ طال اللہ عمرہٗ و دام اقبالہٗ مدار المہام سرکار عالی سے جو بدولت مہتممی کتاب خانہ موصوف مولف کو میسر ہیں مدد لی جائے۔ نیز ابتدائے سن شعور سے خود مولف نے جو کچھ معاینہ کیا ہے اور قدیم بزرگوں سے سنے ہوئے حالات زمانہ سابقہ جس قدر یاد ہوں لکھے جائیں کہ شاید آئندہ کسی سے یہ بھی ممکن نہ ہو۔

پہلے زمانہ سابق یعنی قبل مدار المہامی مغفور موصوف جو حالت اس ملک کی ظاہراً و باطناً تھی اس کا نقشہ حتی الامکان کھینچا جائے کہ اصل مقصود بھی اس تالیف سے یہی ہے تاکہ اہل زمانہ حال و آئندہ پر منکشف ہو کہ ملک کی حالت کیسی ہو گئی تھی اور اس کو مختار الملک مغفور اول نے بکمال جاں فشانی و ریاضت کیا کر دکھایا ہے اور نام اس کارنامہ کا ریاض مختاریہ بہ سلطنت آصفیہ مناسب جانا اور اس میں ایک مقدمہ دو باب ایک ضمیمہ قرار دیا۔ ناظرین کی نیک نفسی سے امید ہے کہ اگر کوئی سہو و خطا اس میں پائیں گے تو معاف فرمائیں گے کہ ہیچ فرد بشر خالی از خطا نبود۔

خدمت دیوانی کا جائزہ لیا الخ یعنے جد کو پدر لکھا ہے اور پدر کو بھائی۔ منیر الملک ۱۲۲۴ھ میں مدار المہام ہوئے جو مرقوم ہے اس میں بھی تامل ہے کیونکہ مرقعہ عبرت وغیرہ تواریخ سے اور قطعہ تاریخ من جملہ کتاب اوصاف منیر سے ۱۲۲۳ھ ثابت ہے۔ قطعہ مذکور ضمیمہ میں لکھا جائے گا۔

جب متاخرین کے احوال کا یہ حال ہے تو کوائف متقدمین کی کیا کیفیت ہوگی چنانچہ اس کے اوپر میر موسیٰ خاں رکن الدولہ مرحوم کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ۱۱۸۹ھ میں قتل ہوئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد نواب وقار الدولہ خدمت دیوانی کو انجام دیتے تھے مگر فیضو نامی ایک سپاہی نے انہیں قتل کیا الخ حالاں کہ تواریخ میں مذکور اور دکن میں مشہور ہے کہ رکن الدولہ بہادر کو فیضو نامی کاردی نے قتل کیا ہے نہ کہ وقار الدولہ کو۔ باوجودیکہ مولف موصوف نے بقول خود بستان آصفیہ کی تالیف میں سالہائے سال بڑی بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں اس پر یہ کیفیت ہے۔ اصل یہ ہے کہ سہو و خطا لازمۂ بشری ہے خصوصاً تالیف و تصنیف نہایت نازک و سخت مشکل کام ہے اور ہر ایک شخص اس کام کا اہل ہو نہیں سکتا۔ بہرحال جس قدر حالات حکام و آثار وغیرہ قدیم و جدید دکن بستان آصفیہ میں ہیں ایسے کسی میں نظر نہیں آئے۔ یہ تاریخ اپنے ہمعصر تواریخ سے بڑھی ہوئی ہے۔ مولف نے واقعی بڑی زحمت اٹھائی ہے۔

مولف ہیچ مداں نے یہ چند جز جو لکھے ہیں معلوم کئے ہوئے کچھ حالات زمانۂ قبل مدار المہامی نواب صاحب مغفور کے ہیں اور کسی قدر کیفیت خاندان مغفور کی او

میر عالم بہادر ہیں؛ اور ان وزرا کی خلاصہ جاں فشانیاں اور کارِ نمایاں از روئے تواریخ جس قدر مولف کی نظر سے گزرے ہیں؛ برمحل و مقام ہر یک بیان کئے جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ وزرا کارگزاری و جاں نثاری میں بے مثل تھے لیکن نواب صاحب مغفور نے رئیس و ریاست کی بہبودی و ترقیٔ دولت کو باتحملِ مصائب و کاہشاتِ روحی؛ جان پر کھیل کر درجہ کمال تک جو پہنچایا ہے اور ریاستِ ضعیف جاں بلب کے حق میں بتائید الٰہی جو مسیحائی کی ہے اس امرِ عظیم میں نواب صاحب مغفور آپ اپنی نظیر تھے۔ بعد معائنہ حالات ہر ایک ناظرین معدلت آئین خود انصاف فرما سکتے ہیں۔ اس تفصیلِ وزرا میں از روئے سنین سلسلہ برابر نہو یا ان کے سواء اور کوئی وزیر مستقل کا اسم رہ گیا ہو تو مولف معذور ہے کیونکہ تفصیل وزرا سلسلہ وار صحیح طور پر کہیں نظر نہیں آئی۔ بستانِ آصفیہ جو حال میں طبع ہوئی ہے اس کے مولف مانک راؤ وٹھل راؤ نے بھی اس بارے میں کچھ ایسا ہی عذر کر کے تفصیل وزرا بتلائی ہے جس پر اعتمادِ کامل ہو نہیں سکتا۔ مقامِ غور ہے کہ مولف موصوف حیدرآبادی اور منیر الملک بہادر و سراج الملک بہادر وزرائے سلطنت آصفیہ میں سے جن کا زمانہ حال کا؛ اُن کی نسبت صفحہ ۱۳۹ بستانِ آصفیہ میں لکھا گیا ہے کہ نواب میر عالم بہادر کے بعد اُن کے داماد اور نواب سالار جنگ اعظم کے پدر عالی قدر نواب منیر الملک بہادر ۱۵ رجب ۱۲۲۴ھ کو مدار المہام ہوئے الخ۔ اس کے دوسرے صفحہ میں مرقوم ہے کہ ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ کو سراج الملک نے جو منیر الملک مدار المہام کے بھائی اور سالار جنگ اعظم کے چچا تھے

مجملاً احوال حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

سرسلسلہ دودمانِ عالیشان نواب مختار الملک سر سالار جنگ مغفور اول

تذکرۃ الاولیا مولفہ حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ اور تاریخ روضۃ الصفا وغیرہ سے معلوم ہوا کہ ملک یمن میں ایک موضع کا یا ایک سردار قبیلہ کا نام قرن ہے اُس سے منسوب خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ تھے یہ مشہور عاشق نادیدہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور ولی کامل بارگاہ احدیت کے تھے جن کے اوصاف حمیدہ تذکرۂ موصوف وغیرہ سے بہت کچھ عیاں ہیں یا محتاج بیان نہیں۔ تمام عالم میں مشہور اور فریقین میں مذکور ہیں۔

جناب شاہِ اولیا علی ابن ابی طالب علیہ التحیتہ والثنا جس وقت عازم جنگ صفین ہوئے تو خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ آخر عمر میں بکمالِ شوق شرف ملازمت و ذوقِ سعادتِ شہادت خدمت مبارک میں شاہِ اولیا کی حاضر و قدم بوس ہوئے۔ جناب شاہ اولیا بھی اس بزرگ کی ملاقات سے نہایت خوشنود ہوئے اور تعظیم سے پیش آئے۔ تاآں کہ وہ ولی خدا یعنے حضرت خواجہ اویس قرنی بہ نصرت ورفاقت جناب شاہ اولیا علیہ التحیتہ والثنا جنگ مذکور میں درجۂ شہادت پر فائز

عہد مدارالمہامی مغفور موصوف کی ہے۔ ضمناً متقدمین کا کچھ ذکر آ گیا ہے سو وہ از روئے تواریخ وغیرہ بقدرِ امکان تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ بر ایں ہم اگر کوئی غلطی وقوع میں آئے تو عجب نہیں کہ مؤلف بھی انسان ہے اور ضعیف۔

مختصر احوال ملّا احمد نایت مرحوم

قبیلۂ بنی قریش کے شرفائے مدینہ منورہ جو بخوف ظلم حجاج بن یوسف ظالم وطن چھوڑ کر نکل گئے اور ۱۵۲ھ ہجری میں بذریعہ جہاز بندر کوکن علاقہ دکن میں آکر مقیم ہوئے تھے۔

لفظِ نایت کی تحقیق تاریخ مآثر الامراء سے یہ ہوئی ہے کہ ابتدائے اہل کوکن وغیرہ ان تازہ واردوں کو نو آمدند یا نو آمدہ کہنے لگے تھے۔ رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے مخفف و محذوف ہو کر نایت قرار پایا۔ الحاصل اُن کی اولاد میں سے ملا احمد نایت تھے جو بوجہ علم و فضل و کمال و ذکاوت و قابلیت والیٔ بیجاپور علی عادل شاہ ثانی ابن سلطان محمد عادل شاہ کے موردِ عنایات ہو کر تھوڑے عرصہ میں رکن رکین ریاست و مدار المہام سلطنت ہو گئے۔ بعد ازاں کسی وجہ سے ملازمت علی عادل شاہ موصوف سے برداشتہ خاطر ہو کر بہ تمنائے ملازمت عالمگیر پادشاہ مع فرزند روانۂ ہندوستان ہوئے تھے۔ پادشاہ موصوف نے بھی خبر پا کر بہ کمال قدردانی ان کے مصارفِ راہ کے لئے دو لاکھ روپئے اور ان کے فرزند کے لئے پچاس ہزار روپئے بذریعہ راجہ جے سنگھ جو با لشکر گراں منجانب پادشاہ موصوف دہلی بہ قصد بیجاپور آیا تھا۔ مرحمت فرمائے تھے۔ اور عطائے منصب شش ہزاری و شش ہزار سوار مع خطاب و

ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔

اُن کی اولاد میں ملقب و موسوم بہ شیخ اویس دو بزرگ اور ہوئے ہیں۔ ایک شیخ اویس ثانی، دوسرے شیخ اویس ثالث۔

مآثرالامرا۔ تزک آصفی۔ حدیقۃ العالم۔ نظام الانساب وغیرہ تواریخ سے ظاہر ہے کہ ۱۰۶۵ھ سنہ ۱۶۵۶ء میں بقولے ۱۶۷۲ء مطابق ۱۰۶۷ھ میں شیخ اویس ثالث جو مدینۂ طیبہ کے متولی اوقاف تھے اور اُس زمانہ میں وہ بہترین خدمت وہاں کی تھی۔ مع یک فرزند شیخ محمد علی نام مدینہ طیبہ سے نکل کر چندے بحرین میں رہے پھر وہاں سے دریا کی راہ سے بندر کوکن میں آئے جو کہ سمت جنوب دکن کنارہ دریائے شور واقع ہے۔ بعد ازاں کوکن سے روانہ ہوکر بیجا پور میں وارد ہوئے تو پادشاہ عہد علی عادل شاہ ثانی ابن سلطان محمد عادل شاہ ابن سلطان ابراہیم عادل شاہ نے اُن کے مقدم خیر کو مغتنمات سے سمجھ کر بہ کمال اصرار اپنے پاس رکھا اور اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اُن کے لئے قریب درگاہ قدم رسول ایک مکان عالیشان تعمیر کر دیا تھا۔ شیخ محمد علی موصوف کو زیور قابلیت سے آراستہ پاکر عہدۂ دبیری سے ممتاز کیا اور یہ عہدہ اُس وقت میں بہت جلیل سمجھا جاتا تھا۔ ان کا باقی احوال آئندہ پر رکھا گیا ہے۔ پہلے مختصر حال ملا احمد نایت اور درگاہ قلی خاں سالارجنگ کا بیان کر دینا مناسب ہے کیونکہ یہ ہر دو بزرگ خاندان عالی شان سر سالارجنگ مغفور اول سے تعلق رکھتے ہیں اور آئندہ برمحل ان ہر دو معززین کا ذکر آئے گا۔

عہدۂ جلیلہ کا غائبانہ وعدہ سرفرازی فرمایا تھا۔ لیکن ملا احمد موصوف نے احمد نگر تک پہنچ کر وفات پائی۔ گویا ان کی خاک نے کہا' یہ احمد نگر ہے' اپنے نگر میں آکر اب کہاں جاتے ہو یہیں رہ جاؤ۔

ان کا فرزند محمد اسد حسب فرمان عالم گیر پادشاہ کی حضوری میں پہنچ کر منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار و خطاب اکرام خاں وغیرہ عطایا سے سرفراز ہوا۔

درگاه قلیخان بهادر سالار جنگ موتمن الدوله موتمن الملک خاندوران

۱۱۲۲ھ ۱۱۸۰ھ

مجملاً احوال درگاہ قلیخاں سالارجنگ مرحوم

واضح ہو کہ نواح مشہد مقدس میں ایک قبیلہ ترکوں کا موسوم بہ بور بورلوس خانان نسبیہ خیمہ ہے اُس قبیلہ سے درگاہ قلی خاں سالارجنگ ابن خاندان قلیخاں ابن نوروز قلیخاں ابن درگاہ قلیخاں ابن خاندان قلیخاں تھے۔ خاندان قلیخاں کو صوبہ دار کشمیر علی مردان خاں نے بکمال اعزاز و اکرام اپنے پاس رکھا تھا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے فرزند درگاہ قلیخاں کو بہ اعانت علی مردان خاں موصوف پیشگاہ شاہ جہاں پادشاہ سے منصب و جاگیر بہ نواح ٹھٹھہ مرحمت ہوئی۔ نیز خدمت میر سامانی سرکار علی مردان خاں متعلق ان سے تھی۔

علی مردان خاں کی رحلت کے بعد شہزادہ اورنگ زیب کے متعین منصب داروں میں مقرر ہو کر ہمراہ رکاب شہزادہ موصوف دکن میں آئے۔ پھر دکن سے ہندوستان واپس جا کر رحلت کی۔ ان کا فرزند نوروز قلی خاں قلعہ داری قلعہ دارور علاقہ بیجاپور سے سرفراز ہو کر وہیں فوت ہوا۔ اُن کا فرزند خاندان قلی خاں منصب و جاگیر سے ممتاز ہو کر منصب داران متعین اورنگ آباد میں مامور ہوا اور عہد شاہ عالم خلد منزل میں وقایع نگاری سنگمنیر اور فوجداری محالات پر وہاں کے ممتاز ہوا۔ نواب آصف جاہ طاب ثراہ نے اپنے عہد میں اپنی خاص خدمتوں پر مامور فرمایا۔ ان کے خلف الصدق درگاہ قلی خاں

سالارجنگ بتاریخ ۲۹ رماہ رجب ۱۱۲۲ھ سنگمنیر میں متولد ہوئے۔ جب چودہ[۱۴] برس کا سن ہوا تو نواب آصفجاہ مغفرت مآب نے انہیں منصب و جاگیر سے سرفراز فرمایا۔ جب بیس[۲۰] برس کا سن ہوا تو اپنے اسٹاف میں شریک فرماکر اکثر کام اپنی پیشی کے لینے لگے۔ انھوں نے ان خدمات کو کمال خوبی سے ادا کیا جس کے باعث تادم آخر مورد عنایات مغفرت مآب رہے۔ ماہ جمادی الآخر ۱۱۶۳ھ میں کوتوال بلدہ خجستہ بنیاد ہوئے۔ معرکۂ نادر شاہی میں ہمراہ رکاب رہ کر حد سے زیادہ جاں فشانیاں کیں۔ عہد نظام الدولہ ناصرجنگ بہادر میں بھی سربرآوردہ رہے۔ عہد امیر الممالک نواب صلابت جنگ میں منصب شش ہزاری اور خطاب مؤتمن الدولہ و صوبہ داری اورنگ آباد سے کامیاب ہوئے۔ جب جملہ حکومت دکن ذات آصفجاہ ثانی سے متعلق ہوئی تو منصب ہفت ہزاری و ماہی و مراتب و خطاب مؤتمن الملک کا مرتبہ حاصل کیا۔ نیز عماری دو جھالردار کا اختصاص پایا اور ۱۱۷۵ھ میں مخاطب بہ خاندوران ہوئے۔ بعد قتل راجہ بہادر جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہوا تھا۔ اور شاہی چھاونی خجستہ بنیاد میں پڑی تھی تو بکمال کرم و مرحمت نواب آصفجاہ ثانی نے مع محلات مبارک ان کی حویلی میں فروکش ہوکر چندے اقامت فرمایا تھا۔ بعدازاں بمقتضائے دور فلک جو یکساں نہیں رہتا غرہ ماہ رجب ۱۱۹۰ھ کو صوبہ داری اورنگ آباد سے معزول ہوکر پنجم ماہ ذیحجہ سنہ مذکور کو بہ کمال تجمل اپنی جاگیر نظام آباد میں جاکر بیٹھ گئے۔ بعدازاں پھر بحالی کے اسباب مہیا ہو رہے تھے کہ مرض سرسام سے بتاریخ ۱۸ رماہ جمادی الاولی ۱۱۹۱ھ

امام قلیخان بہادر خان عالم

۱۲۳۰ھ

رحلت کی۔ ان کی میت کو نظام آباد سے اورنگ آباد میں لاکر ان کے والد کے مقبرے میں دفن کیا۔

درگاہ قلیخاں اور شیر جنگ بہادر آبائی امرائے دربار شاہی سے تھے متعین ہوکر ہمراہ آصفجاہ بہادر دکن میں آئے تھے۔ الحاصل درگاہ قلیخاں مرحوم موصوف امیر ذیجاہ دانش آگاہ خلق و رحم وکرم و شجاعت و ذکاوت میں بے مثل تھے۔ ان کی سواری جس میں الغوزہ نواز بھی رہتے تھے نہایت باتجمّل ہوتی تھی۔ ان کے دو فرزند اور ایک دختر تھیں۔ ایک امام قلیخاں دوم وصی قلی خاں۔ بعد انتقال درگاہ قلیخاں مرحوم ہر دو فرزند موصوفین بتوجہ و امداد شیر جنگ مغفور بہ بارگاہ آصفجاہ ثانی سے سرفراز ہوئے یعنی امام قلیخاں اکبر فرزند بہ ارث پدری خطاب مؤتمن الملک سالار جنگ خان عالم و جاگیر ذات علاقہ برار و خجستہ بنیاد میں۔ وصی قلیخاں بخطاب درگاہ قلیخاں خاں زماں و جاگیر ذات علاقہ مذکور سے سرفراز و ممتاز ہوئے۔ دختر درگاہ قلی خاں مسماۃ بہجت بیگم جو بطن صبیہ حنیف الدین خاں علیہ الرحمہ سے تھیں ان کا ذکر احوال محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ میں آئندہ آئیگا۔

اب یہاں سے بقیہ احوال فرزند خواجہ اویس ثالث یعنی شیخ محمد علی کا بیان کرنا لازم ہے کہ بیجاپور میں ملا احمد نایت مدار المہام علی عادل شاہ ثانی نے جس کا حال اوپر بیان ہوچکا ہے۔ اپنی دختر عفیفہ شیخ محمد علی موصوف دبیر خاص علی عادل شاہ ثانی کو دی۔ شیخ محمد علی موصوف مرحوم نے ایک حمایل قلمی خوشخط جو اپنے فرزند محمد باقر مرحوم

دو فرزند تھے ایک شیخ محمد باقر دوم شیخ محمد حیدر۔ شیخ محمد باقر کو سرکار علی عادل شاہ موصوف میں خدمت میر سامانی عطا ہوئی۔ اور شیخ محمد حیدر کو عہدہ مستوفی الممالک کا مرحمت ہوا۔ یہ دونوں بھائی عہد سکندر عادل شاہ تک بیجاپور میں اپنے عہدوں پر قایم تھے۔ بعدازاں جب مصطفی خاں وزیر سکندر عادل شاہ سے ناسازی پیدا ہوئی تو عالمگیر پادشاہ کی خدمت میں عرضداشت روانہ کی اور حسب الطلب پادشاہ موصوف یہ ہر دو برادر شرف اندوز دربار عالمگیر بادشاہ ہوکر شیخ محمد باقر منصب دو ہزاری پانصد سوار فوجدار و دیوانی دارالخلافت شاہ جہاں آباد و کشمیر سے سرفراز ہوئے۔ اور شیخ محمد حیدر منصب ہزار و پانصدی سہ صد سوار و عہدہ دیوانی فوج پادشاہزادہ محمد اعظم شاہ سے ممتاز ہوئے۔ اور ایک مدت تک ان خدمات پر مقرر تھے تاآنکہ شیخ محمد باقر نے بتوسل اسد خاں وزیر اعظم معروضہ گذرانا کہ آب و ہوائے ہندوستان فدوی کے ناموافق ہے امیدوار ہوں کہ دکن پر متعین کیا جاؤں۔ بادشاہ نے براہ عنایات معروضہ پذیرا فرمایا اور دیوانی کل دکن نظام شاہی و عادل شاہی پر معمور فرماکر رخصت فرمایا۔

شیخ محمد باقر نے دکن میں آکر بہ کمال معتبری بسر کی۔ آخر عمر میں خدمت سے مستعفی ہوکر اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی اور تاحیات جاگیر ذات بحال تھی تاآنکہ ۱۱۲۵ھ میں رحلت کی۔ یہ مرحوم علوم معقول و منقول میں عالم جید اور صاحب تصنیفات و متقی و زاہد تھے۔ کتاب تلخیص المرام فی علم الکلام نیز روضۃ الابرار

کو ہبہ کیا تھا وہ حمایل کتاب خانہ سرکار نواب سالار جنگ بہادر حال میں موجود ہے
بنظر اختصار صرف مہر کی نقل یہاں کردی گئی ہے جو خاتمہ عبارت ہبہ پر ثبت ہے
وھوھذا (محمد علی شیخ اویس ۱۰۶۲) الحاصل اس بی بی کے بطن سے شیخ محمد علی کے

۱؎ ایک کلام اللہ حمایل قلمی خط کتاب خانہ نواب سالار جنگ بہادر میں موجود ہے جس کو شیخ محمد علی موصوف مرحوم نے اپنے فرزند محمد باقر کو ہبہ کیا تھا۔ اور محمد باقر نے اس کو وقف کرکے اس کا متولی اپنے برادر زادہ محمد رضا ابن محمد حیدر کو قرار دیا تھا۔ اس جملہ عبارت عربی مرقومہ حاشیہ حمایل موصوف مع دو مہر کی نقل یہ ہے۔

برحاشیہ کلام اللہ

وهبت هذا المصحف المجيد لولد الرشيد محمد باقر طال عمره وبقاوه ووقع الايجاب والقبول والقبض والاقباض وصار ملكا له وفقه الله تعالى تلاوته مع شرايط

انا الفقير محمد على ابن المرحوم شيخ اويس طاب ثراه

(محمد علی شیخ اویس)

قد دخل فی ملکی بهبة ابی وانا الفقیر الی الله الغنی

محمد باقر ابن شیخ محمد علی بیض

وقفت هذا المصحف المجيد على جميع المومنين والمومنات والمسلمين والمسلمات الموجودين والموجودات والمتولدين والمتولدات قربة الى الله وجعلت نفسي الناظر والمتولي عليه ما كنت حيا وبعد وفاتي النظر والتولد عليه لمحمد رضا ابن اخي المرحوم محمد حيدر بعد والواقف محمد باقر ابن شيخ محمد على ابن شيخ اويس الاويسى نسبا والاوقافى لقبا بيض (محمد باقر علی ابن شیخ محمد)

وزبدۃ الافکار علم حکمت وغیرہ میں ان کی تصانیف سے ہیں۔ ملا محمد فصیح تبریزی نے کتاب مذکورہ دوم کا یہ نام رکھا ہے۔ ان کے فرزند **شیخ محمد تقی** کو عہد عالمگیر پادشاہ میں سہ صدی اور عصر بہادر شاہ میں پانصدی منصب پنجاہ سوار تھے۔ عہد محمد فرخ سیر میں داروغہ جزیہ خجستہ بنیاد ہوئے۔ جب نواب مغفرت مآب آصفجاہ حکومت دکن پر آئے تو پیشگاہ نواب ممدوح سے داروغگی احتشام جملہ قلعہ جات دکن مرحمت ہوئی تاآنکہ ۱۱۳۵ھ م ۱۷۲۲ء میں مرحوم ہوئے۔

حیدر یار خان بہادر شیر جنگ منیر الدولہ منیر الملک

۱۱۱۳ھ ۱۱۸۹ھ

خلاصہ حال حیدر یار خاں بہادر شیر جنگ نیر الدولہ نیر الملک اوّل

شیخ محمد تقی موصوف مرحوم کے فرزند شمس الدین محمد حیدر المخاطب بہ حیدر یار خاں
بہادر شیر جنگ نیر الدولہ نیر الملک اول سرداد نواب صاحب مغفور اوّل کے سنہ ۱۱۱۳ھ
مطابق سنہ ۱۷۰۱ئہ میں متولد ہوئے ۔ ان کا مادہ تاریخ عالی بخت ہے صغیر سنی
میں منصب صدی عالمگیری سے سرفرازی پائی ۔ جب سن تمیز کو پہونچے تو ملازمت
میں نواب آصفجاہ کی پہونچ کر منصب دوصدی و داروغگی فیلخانہ سے سرفراز
ہوئے ۔ بعد انتقال والد باضافہ صدی منصب ان کا سہ صدی تک پہونچا تھا۔
نواب مغفرت مآب دکن سے عازم شاہ جہاں آباد ہوئے تو شمس الدین محمد حیدر
ہمراہ رکاب تھے ۔ تقرب روز افزوں ہوتا گیا تاآنکہ خدمت عرض بیگی کا اعزاز
حاصل ہوا ۔ بعد جنگ نادر شاہی سنہ ۱۱۵۲ھ میں منصب شش صدی و خطاب حیدر یار خاں
سے ممتاز ہو کر ایسے معتمد علیہ و مشار الیہ ہوئے کہ نواب مغفرت مآب جب کبھی
حضوری میں شہنشاہ کی جاتے تھے تو سوائے حیدر یار خاں موصوف اور درگاہ
قلیخاں کے کسی تیسرے کو ہمراہ نہ لیجاتے تھے ۔ شاہ جہاں آباد سے جب دکن
میں واپس آئے تو بعد معرکۂ ناصر جنگ و تسخیر قلعہ ترچناپلی منصب حیدر یار خاں
کا ہفت صدی ہشت صد سوار تک پہونچا ۔ عہد مظفر جنگ میں منصب ہزار و پانصدی

کرتے تھے۔ اور یہ سب کے ساتھ بزرگانہ شفقت فرماتے تھے۔ رکن الدولہ بہادر انہیں اپنا بزرگ جانتے تھے اور عمو صاحب کہتے تھے۔ بجائے خط کے ان کو عرضی لکھتے تھے۔

منیرالملک بہادر اول کے دو فرزند تھے۔ کلان محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ اشجع الدولہ جن کا مفصل حال بعد ذکر رکن الدولہ بہادر بیان کیا جائے گا۔

چھوٹے فرزند نقی یار خاں بہادر ذوالفقار جنگ کو دیوانی و امانت پایباقی و تحصیلداری مطالبہ وغیرہ صوبہ برار ۱۱۹۴ھ میں ہوئی تھی۔ بعد انتقال والد اپنے برادر کلاں موصوف کے ظل عاطفت میں سات سال زندہ رہ کر بعارضۂ فالج لاولد انتقال کیا۔

پانصد سوار تک ترقی کی۔ اور امیر الممالک صلابت جنگ کے زمانے میں اولاً منصب پنجہزاری چہار ہزار سوار پالکی جھالدار و علم و نقارہ و خطاب نیر الدولہ شیر جنگ بہادر دوبارہ باضافہ دوہزاری منصب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار و ماہی و مراتب وخطاب نیر الملک و خدمت میر سامانی سرکار والا سے نامور ہوئے۔ بعد از ان دیوانی صوبجات دکن سے ۱۱۶۸ھ میں سرفراز ہوئے چنانچہ اسناد دومہری عہد نیر الملک وغیور جنگ جو ہیں وہ دلیل ہیں ان کی اس خدمت پر۔

نواب آصفجاہ ثانی کے عہد میں اگرچہ لبسبب کبر سنی امور وزارت سے کنارہ کش ہوئے تھے اور زمانہ اوایل مدار المہامی رکن الدولہ بہادر کا تھا۔ جب بھی اکثر امور سترگ حسب صلاح ومشورت نیر الملک بہادر موصوف طے ہوتے تھے۔ مقدمات متعلقہ سرکار پنڈت پردہان پیشوا و محمد علیخاں والاجاہ بہادر میں سوال وجواب حسب رائے صایب بہادر موصوف لکھے جاتے تھے۔

بسبب کبر سنی جب تو وہ نہایت ضعیف ہو گئے تو ترک خدمت کرکے اورنگ آباد میں منزوی ہو گئے تھے۔ تو بھی بندگان عالی آصفجاہ ثانی کے اصرار سے اورنگ آباد کی نظامت کو قبول کرکے باقی عمر کے پانچ سال بہ کمال عدل و غربا پروری و فیض رسانی بسر کئے اور ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۵ء میں بعمر ہفتاد و ہشت سال رحلت کی۔ ان کے اوصاف حمیدہ و خصایل پسندیدہ۔ ماثر الامرا۔ تزک آصفی۔ حدیقۃ العالم وغیرہ تواریخ سے ظاہر ہیں۔ اس عہد کے تمام امرا ان کا احترام و اعزاز خوردانہ

بعدازاں انہیں خیمہ قیام میں لے گئے مگر خیمہ میں پہونچنے تک روح پرواز کر گئی۔
ان کا یادگار یہاں ایک چشمہ واقع بیرون فتح دروازہ موسوم بہ رکن الدولہ کا
بم ہے اور بوجہ خوشگواری وخوبی آب بلدہ میں مشہور اور نگرانی سرکار عالی میں ہے
کیونکہ اس چشمہ سے آب خاصہ شاہی جایا کرتا ہے۔ کسی نے یہ تاریخ بنائی چشمہ مذکور
خوب کہی ہے **قطعہ**

چوآں رکن دولہ بنام حسین — بناکرد ایں چشمۂ فیض عام
پے سال تاریخ گفتہ خرد — بخور آب سردی بیاد امام
۱۱۸۴ھ

بالائے کوہ شریف مولا علیؑ بھی تین چبوتروں پر مختصر عمارتیں پختہ ان کے
نام سے مشہور ہیں۔ بعض کہتے ہیں راجہ راؤ رنبھا جیونت متوفی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

مجملاً ذکر نواب میر موسیٰ خاں بہادر احتشام جنگ رکن الدولہ[1]

سید محمد ترکیخاں کلید بر داران روضہ رضویہ مقدسہ میں سے جب ہند میں آئے تو بملاحظہ علم و فضل ترکیخاں موصوف کو نواب فیروز جنگ بہادر نے اپنے فرزند آصفجاہ بہادر کی معلمی پر متقرر فرمایا۔ بوجہ لیاقت خان موصوف اور ان کی اولاد نے ترقی کی تاآنکہ ان کے پوتے میر موسیٰ خاں رکن الدولہ بہادر ۱۱۷۷ھ میں دیوان ہوکر جانفشانی و خیر خواہی نواب نظام علیخاں بہادر غفرآن مآب میں جو کہ عین جنگ و جدال کا زمانہ تھا کمی نہ کی۔ مآثر الامرا۔ حدیقۃ العالم وغیرہ تواریخ سے معلوم ہوا کہ ۱۱۸۹ھ میں بمقام موضع نبیر جب کہ غفرآن مآب عماری سے اتر کر محلسرائے میں تشریف لے گئے اور رکن الدولہ بہادر کوئی واقعات عرض کرنے کے لئے خیمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ فیضو نامی گاردی نے رکن الدولہ بہادر کے بائیں پہلو میں کٹار سے ایسا مارا کہ خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ یہ واقعہ سن کر غفران مآب برآمد ہوئے تو رکن الدولہ بہادر باوجود زخم کاری کھانے کے ایک ساعت تک کلمات خیر خواہی دولت و وصایا عرض کرتے رہے

---

[1] رقعہ جات شاہ نواز خاں صمصام الدولہ سے معلوم ہوا کہ رکن الدولہ کا نصیر جنگ خطاب تھا۔

مجملاً ذکر محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ اشجع الدولہ اشجع الملک[1]

نیر جنگ نیر الملک بہادر اوّل کے فرزند کلاں اشجع الملک بہادر موصوف جو پردادا نواب صاحب مغفور کے تھے بتاریخ ۲۴ ماہ جمادی الاخری ۱۱۴۵ھ م ۱۷۳۲ء متولد ہوئے۔ عہد مغفرت مآب میں منصب دوصدی و نیابت داروغگی فیلخانہ سے سرفراز ہوئے۔ مظفر جنگ بہادر کے عصر میں منصب پانصدی چارسوسوار

نوٹ:- یہاں ایک علیحدہ کاغذ چسپاں ہے جس پر حسب ذیل قطعات تاریخ لکھے ہوئے ہیں۔ مصنف کا نام نہیں ہے۔

[1] اشجع الملک اشجع الدولہ | خان خاناں بدل غلام بتول
از سر آہ سال رحلت او | حشر او بشود با آل رسول
۱۴ شعبان ۱۲۰۰ھ

تاریخ انتقال محمد حیدر مخاطب بہ نیر الملک (ربیع الاخری)

"حیدر یار خاں با ایمان" ۱۱۸۹ھ

"حیدر یار خاں عادل" ۱۱۸۹ھ

اُم خان عالم والا نژاد | کرد رحلت از قضا فریاد و داد
سال تاریخش بہ تربیت شد رقم | خوابگاہِ بیگم جنت نہاد
۱۲۰۲ھ

محمد صفدر خان بہادر غیور جنگ اشجع الدولہ اشجع الملک خانخانان

۱۱۴۵ھ ۱۳۰۴ھ

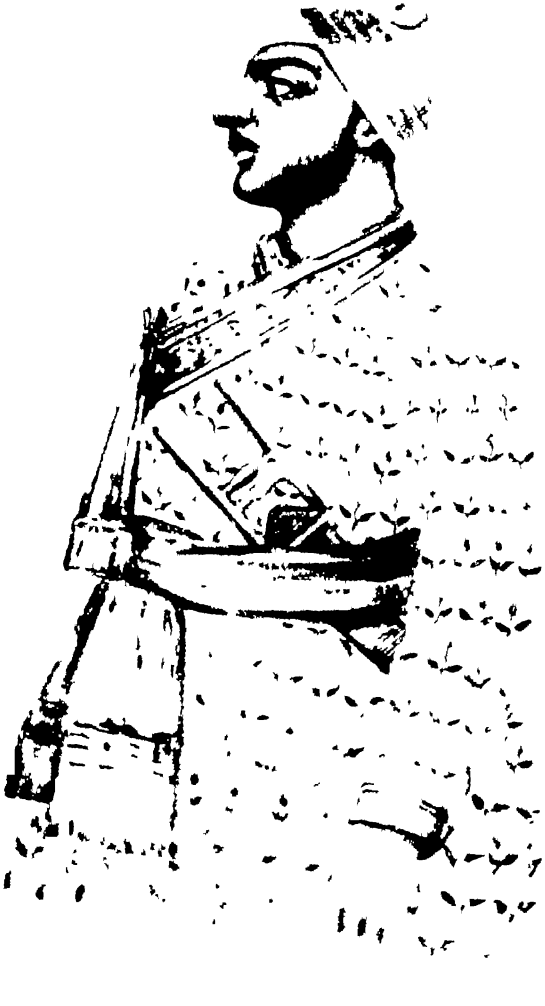

وخطاب خانی سے اور زمانۂ نواب امیرالممالک صلابت جنگ بہادر میں اولاً کوتوالی
خجستہ بنیاد سے بارِ دوم منصب سہ ہزاری دو ہزار سوار و علم و نقارہ و خطاب بہادری سے

حاشیہ صفحہ گزشتہ۔
بیگم کالی لقب عالی گہر قدسی جناب | رفت ازیں دار فنا در قرب رب العالمیں
مصرع تاریخش از عرش بریں آمد چنیں | مرقدِ پر نور بیگم جلوۂ روئے زمیں
۱۲۴۱ھ

آرامگاہِ خان دوران
۱۱۸۰ھ

اہل عالم سینہ چاک از ماتمِ سالار جنگ
۱۱۸۰ھ

رحمت النساء خانم اہل خانہ خان زمان | جان بحق تسلیم کردند از دنیا بہ عالم جاودان
۱۲۷۳ھ

فغان از جہان شد امیر کبیر | بدرد و الم خویش ہمسایگان
چو کردم بدل فکر تاریخ او | شدہ میر عسلیخان بہ مینومکان
۱۲۲۸ھ

خلفِ موتمن الدولہ امیر والا | ہمخطاب پدرِ خود بزبانِ عالم
کرد رحلت زجہاں ہاتف غیبی فرمود | جائے فردوس بود بودن خان عالم
۱۲۳۰ھ

ولہ در خلوت جنوں کہ دلم آرمیدہ است ٭ خود را ز گیر و دار حوادث کشیدہ است
حاشا کہ آشنائے شکایت شود لبم ٭ از قسمت است آنچہ زیاراں رسیدہ است
از میکدہ بروں نروم تا ظہور حشر ٭ ساقی مرا بساغر و مینا خریدہ است
زاہد ترا بہ میکشی ما چرا حسد ٭ ما را خدا برای ہمیں آفریدہ است

ان کی شادی درگاہ قلیخاں سالار جنگ موصوف کی دختر بہجت بیگم عرف بہجو بیگم سے ہوئی تھی جو کہ بطن دختر حنیف الدین خاں علیہ الرحمۃ سے تھیں جس کا نسب شریف ابراہیم ادہم قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے ۔ اس عفیفۂ زمان کے بطن سے محمد صفدر خاں غیور جنگ مرحوم کے چار فرزند اور دو دختریں تھیں ۔ ایک دختر مسماۃ فرزند بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی سپہدار جنگ سیف الدولہ بہا عرف مالی میاں فرزند ارسطوجاہ بہادر سے ہوئی ۔ ان کے بطن سے جہاں پرور بیگم صاحبہ تھیں ۔ ان کی شادی بعہد نواب نظام علیخاں بہادر ولیعہد سے یعنی نواب سکندر جاہ بہادر سے ہوئی ان کے بطن سے میر پادشاہ فرزند اور دو دختریں تھیں ایک غفور النسا بیگم صاحبہ جو ناکتخدا فوت ہوئیں دوسری ۔ نامدار النسا بیگم صاحبہ ان کی شادی نواب ناصر الدولہ بہادر نے ایک منصبدار میر ابوالقاسم المخاطب بہ نصیب الدولہ بہادر شیعی مذہب سے کر دی کیونکہ یہ مرشد زادی شیعہ تھیں اور یہ معاہدہ ہوا تھا کہ جہاں پرور بیگم صاحبہ کے بطن سے جو فرزند ہو اپنے آبائی مذہب پر رہے ۔ اور دختر اپنی والدہ کے مذہب پر چنانچہ میر پادشاہ حنفی تھے ۔ دختر دوم مالی میاں

بارسوم بعہد غفران مآب نظام علیخاں بہادر ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۰ء میں منصب چہار ہزاری و خطاب غیور جنگ بہادر اشجع الدولہ سے جس کا مصرع تاریخ

خطاب اشجع الدولہ ہمایوں

ہے سرفراز ہوئے۔ بار چہارم منصب پنجہزاری چہار ہزار سوار و پالکی جھالردار سے سرمایۂ افتخار حاصل کیا اور منصب ششہزاری ششہزار سوار۔ اس کے بعد بتاریخ ۲۸ ماہ رمضان ۱۱۹۷ھ مطابق ۱۷۸۲ء خدمت آبائی دیوانی صوبجات دکن اور خطاب اشجع الملک سے اور بتاریخ ۸ ماہ صفر ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۰ء خطاب خانخاناں سے سرفراز ہوئے۔ بتاریخ ۱۴ ماہ شعبان ۱۲۰۴ھ جب کہ شاہی چھاونی پانکل میں تھی بعارضہ خفقان وغیرہ مرحوم ہوئے۔ مادہ تاریخ رحلت مندرجۂ تزک آصفی یہ ہے۔

حشر او می شود بآل رسول۔

ان کی میت کو اورنگ آباد لیجاکر ان کے والد شیر جنگ مرحوم کے مقبرہ میں دفن کیا۔ ان کی نسبت اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ متانت و بردباری و غیرت و مروّت و دینداری و پاس دوستی و رحم و غربا پروری میں بے مثل تھے۔ اور مدعا نویسی و فن نظم میں نہایت صاحب امتیاز تھے۔ یہ چند طبعزاد ان کے ہدیہ ناظرین ہیں ؎

سحر چو برق بت سرخ پوش رفت و گذشت ٭ بیک کرشمہ او عقل و ہوش رفت و گذشت

طریق عشق ز پروانہ مینواں آموخت ٭ کہ سوخت جان عزیز و خموش رفت و گذشت

کی امت اسلام بیگم صاحبہ تھیں جو شہیار الملک بہادر سے بیاہی گئیں ۔

دوم دختر غیور جنگ بہادر کی فاطمہ بیگم صاحبہ ان کی شادی میر سید و فرزند ماہ بیگم عرف مہا بیگم اورنگ آبادی سے ہوئی ۔ ان کے بطن سے نجیب النسا بیگم عرف مغل صاحبہ بی پیدا ہوئیں جن کو نعل کچہری کا کام تھا ۔ ان کی شادی محمد عیسٰیخاں ابن میر محمد سعید سعید الدولہ کلاں سے ہوئی ۔ بعد انتقال شوہر ایک زمانے کے بعد لاولد رحلت کیں ۱۲۸۰ء یا ۱۲۸۱ھ میں یہ مرحومہ نہایت نیک و عابدہ تھیں ۔ کیفیت چہار فرزندان موصوف یہ کہ بعد رحلت والد جاگیرات چاروں فرزندوں پر علی السویہ تقسیم ہوی ۔ فرزند کلاں اکرام الملک محمد تقی خاں بہادر قوی جنگ جس کو سرکار آصفجاہ ثانی کی میر سامانی کا اعزاز حاصل تھا اور بوجہ کارگزاری ترقی کررہے تھے کہ بتاریخ ۴ ماہ جمادی الاخری ۱۲۱۳ھ ہجری مرض اسہال سے انتقال کیا ۔

دوسرے فرزند حسن رضا خاں بہادر شوکت الدولہ نیر جنگ جو ابتدائً داروغگی باورچیخانہ بندگان عالی سے بعد ازاں نظامت بلدہ خجستہ بنیاد سے سرفراز ہوئے تھے بتاریخ ۲۸ ماہ شعبان ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء مرض اسہال وغیرہ سے رحلت کی ۔

تیسرے فرزند علی زماں خاں المخاطب بہ حیدر یار خاں بہادر منیر الملک ثانی کا مفصلاً ذکر بحسب ضرورت سلسلہ دیوانی بعد کیفیت ارسطو جاہ بہادر و میر عالم بہادر

رضا یار خان بہادر حسام جنگ امین الدولہ امین الملک

۱۱۸۶ھ

۱۲۴۳ھ

کیا جائے گا۔ فرزند چہارم امین الملک امین الدولہ رضا یار خاں بہادر حسام جنگ تھے جو کہ پیشگاہ بندگان عالی سے بخدمت داروغگی فیلخانہ سرکار سلیمان جاہ بہادر خلف نواب آصف جاہ ثانی متعلق پائیگاہ ارسطوجاہ بہادر معمور تھے۔ عقب بادشاہی عاشور خانہ امین باغ جو مشہور ہے وہ انہیں کا تھا جو بسبب حوادث زمانہ سرکار عالی کے علاقہ میں ہو گیا ہے چنانچہ اوسی انتحقاق سے چند علاقہ داران امین الملک مرحوم کو سرکار عالی سے اب تک ماہواریں ملتی ہیں۔ نیز حویلی موسوم بہ فتح محل جو قریب بادشاہی عاشور خانہ سرراہ واقع ہے جس میں مجلس مرافعہ قایم ہے یہ حویلی بھی امین الملک مرحوم ہی کی تھی۔ ان کے ایک فرزند حسن رضا خاں بہادر ذوالفقار جنگ بہادر سن یاور الدولہ دوسرے درگاہ قلیخاں بہادر عرف درگاہی صاحب ان کی ایک دختر شمس النسا بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی سرفراز جنگ بہادر سے ہوئی تھی ان کے بطن سے میر فدا علی خاں عرف سید صاحب موجود ہیں۔ تیسرے جہانگیر علیخاں بہادر امین الدولہ تھے۔

امین الملک مرحوم کی دختر کی نسبت مختلف اقوال ہیں مولف تزک محبوبیہ ساکن مکان علاقہ نبین علی بیگ خان بخشی مرحوم اپنی تالیف مذکور میں لکھتے ہیں کہ بخشی موصوف کی شادی امین الملک موصوف کی نواسی جو دختر اعجاز الدولہ ابن رفعت الملک کے بطن سے تھی ہوئی یعنی نانی بڑی بیگم زوجہ بخشی موصوف امین الملک کی نواسی بطن سلطانی بیگم سے اور رفعت الملک کی پوتی تھیں۔

بعض وابستگان امین الملک کا بیان ہے کہ امین الملک

کیفیت مشیر الملک اعظم الامرا ارسطو جاہ بہادر

ارسطو جاہ بہادر کا نام تاریخی غلام سید تھا یعنی ۱۱۴۵ھ میں متولد ہوئے والد کا نام فرخ نژاد خاں نہاان کے بزرگ سامانہ کے رہنے والے تھے سلسلہ نسب ان کا نوشیروان عادل تک پہنچتا ہے مجموعہ قصائد و تواریخ عہد ارسطو جاہ بہادر سے پیدا ہے کہ بہادر موصوف کو پیشگاہ آصفجاہ بہادر ثانی سے جاگیر ذات تعلقہ الگندل میں جب مرحمت ہوئی تو بہادر موصوف نے فی البدیہہ یہ مادۂ تاریخ انشا فرمایا وَاِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ ۱۱۷۹ھ ۔ نیز محمد تقی خاں بہادر اکرام الملک برادر خیر الملک بہادر ثانی کی تاریخ بلوغ بھی یہ خوب کہی ہے سالم بیت ہیں ؎

زامداد اللہ بند و ایجاد ❊ بجو شید از سر فوارہ سیماب ۱۱۸۰ھ

ارسطو جاہ بہادر ۱۱۹۵ھ میں دیوان سلطنت ہوئے ۱۲۰۱ھ میں خطاب اعظم الامرا پایا ۔ بوجہ سرکشی ٹیپو سلطان ۱۲۰۶ھ میں برائے گوشمالی لشکر گراں لے کر ہمراہی ولیعہد نواب سکندر جاہ بہادر جب گئے تو ٹیپو سلطان تاب مقابلہ نہ لا کر خواہان صلح ہوا نباء علیہ اس سے ملک و جواہر زر نقد و اسپ و فیل وغیرہ تحائف مالیتی بقدر دو کروڑ روپیہ بطور نذرانہ لے کر واپس آئے قطعہ تاریخ گذرانیدہ شیر محمد خاں ایمان یہ ہے ؎

بہ تسخیر ممالک شاہزادہ ❊ برآمد ہمچو خورشید جہاں گرد

کی دختر نانڈیڑی بیگم کے سوائے دوسری دختر الفت النسا بیگم بھی تھیں جن کی شادی
اعظم میرزا خاں ابن شہریار جنگ سے ہوئی۔
بعض قدما کا قول ہے کہ امین الملک مرحوم کو دختر ہی نہ تھی۔

فرزند ارسطوجاہ المخاطب سیف الدولہ المعروف بہ مالی میاں کا مجملاً ذکر بضمن کیفیت غیور جنگ اشجع الملک مرحوم کیا گیا ہے ۔

منتہائے مراحم خسروانہ غفران مآب یہ کہ جب ایک پوتہ فرزند مذکور کے انتقال سے ارسطوجاہ بہادر کو سخت صدمہ ہوا تو خود بدولت غفران مآب نے برسم تعزیت مع شہزادگان رئیس الملک سلیمان جاہ بہادر و سیف الملک کیوان جاہ بہادر تشریف فرما ہو کر بہ کمال مرحمت ارسطوجاہ سے فرمایا کہ تمھارا ایک فرزند جاتا رہا ہے اس کے عوض دو فرزند تمھیں ہم دیتے ہیں اپنی فرزندی میں لو ۔ اور اس طیب خاطر سے دیے کہ اپنے مذہب کے موافق تعلیم و تربیت کر لینے کا اختیار دیا چنانچہ ارسطوجاہ بہادر نے ویسا ہی کیا ۔ سیف الملک بہادر کا دماغ بسبب لاحق ہونے عارضہ لقوہ و فالج کے صحیح نہ تھا اُن کے پوتے رحمن علی پادشاہ نواب سیف الملک بہادر رحال سے معلوم ہوا کہ ہر عشرہ محرم میں علموں کو نیزوں پر سے دن میں کئی بار اتار لیتے تھے پھر نصب کرتے تھے ۔ ان کی زیست زیادہ نہ ہوئی بقول مولف دبدبہ نظام ۷ ماہ ربیع الآخر ۱۲۱۸ھ میں رحلت کی ۔

رئیس الملک سلیمان جاہ بہادر سن طبعی کو پہونچ کر مرحوم ہوئے ۔ عشرہ شریف میں علانیہ سیہ پوش و عزادار رہتے تھے اور با فیض و کرم تھے ۔

مشیر آباد جو حسین ساگر کے قریب واقع ہے مشیر الملک ارسطوجاہ بہادر کا ۱۲۰۲ھ میں بنوایا ہوا ہے ۔

سرور نگر کی کیفیت یہ ہے کہ ارسطوجاہ بہادر کی منکوحہ سرور افزا بیگم کو غفران مآب نے

بگفت ایمانؔ تاریخ مبارک ٭ سکندر جاہ فتح عالمی کرد سنہ ۱۲۰۶ھ

سنہ ۱۲۰۹ھ میں منجانب غفراں مآب پونا جاکر سنہ ۱۲۱۱ھ میں بکمال دانائی و تدبر قلعہ دیوگیر دولت آباد اور ملک وزرچوتھ صوبہ بیدر کا مع جواہر گراں بہا وغیرہ لے کر حیدرآباد واپس آئے ہیں جس کے باعث غفراں مآب نے نہایت عزت افزائی و قدر دانی اعظم الامرا کی فرمائی ہے قطعۂ تاریخ واپسی از پونا گذرانیدۂ سپہرؔ یہ ہے ؎

چو اعظم الامرا باسعادت و اقبال ٭ زملک مرہٹہ پس شاد و کامراں آمد

سپہرؔ گفت بتاریخ مقدمش مصراع ٭ مشیر ملک دکن صاحب قراں آمد سنہ ۱۲۱۱ھ

اس کے دوسرے سال یعنی سنہ ۱۲۱۲ھ میں خطاب ارسطوجاہ مرحمت ہوا۔ اس کی تاریخ منظومہ ارشدؔ یہ ہے ؎

یافتہ چوں مشیر ملک خطاب ٭ تازہ از آصف زماں دلخواہ

گفت ارشدؔ برای تاریخش ٭ بازوی دولت است ارسطوجاہ سنہ ۱۲۱۲ھ

نوازشات ناز برداری غفراں مآب اور کامیابی و اولوالعزمی ارسطوجاہ بہادر کا اندازہ اس کیفیت سے ناظرین کر سکتے ہیں کہ ایک صاحب کو باہر سے یعنی اپنے وطن سے طلب کر کے بعطائے جاگیرات و منصب و نشان و نوبت و خطابات وغیرہ سرکار آصفیہ میں امیر اعظم بنا دیا اور بمقابلہ نواب شمس الامرا بہادر خطاب نورالامرا بہادر دلوا کے کہا ہیں نے شمس میں سے نور نکالا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے کہ نواب شمس الامرا بہادر بسبب خویشی خاندان آصفیہ ارسطوجاہ بہادر کی پروا نہیں کرتے تھے۔

بیرون بلدہ جانب شرق ایک گاؤں مرحمت فرمایا تھا۔ اس کو بیگم مزبورہ نے تعمیر حصار و برج سنگ بستہ وغیرہ آباد کر کے سرور نگر نام رکھا۔ اس کی تاریخ بنا منظومۂ صفدر علیخاں صفدر یہ ہے ؎

شد از برای سرور دل ارسطو جاہ ٭ مطاز حضرت جمجاہ آصف داور
بنام بیگم علیا قدر سرور افزا ٭ دہے کہ کامل آں باج خواہد از کشور
بحسن نیت او گشت ہمچو شہر صبا ٭ کہ بردہ خطۂ کشمیر رشک از آں یکسر
چوں خواست سال بنا صفدر از خرد گفتا ٭ بود بہ امن و اماں یا رب ایں سرور نگر سنہ ۱۲۱۳ھ

تاریخ رحلت ارسطو جاہ مرحوم ۲۸ ماہ محرم سنہ ۱۲۱۹ھ۔

سید ابوالقاسم میر عالم بہادر

۱۱۶۶ھ

۱۲۲۳ھ

مجملاً ذکر سیّد ابوالقاسم المخاطب میر عالم بہادر

سیّد رضی ابن نورالدین موسوی[1] سادات جلیل القدر و علمائے شوستر سے عالم جوانی میں جب یہاں آئے تو غفران مآب نے ان کی نہایت قدردانی فرمائی۔ جاگیر عطا کی۔ ہر شنبہ کو باریاب ہو کر بندگان خدا کے کام نکالتے تھے اور صاحب زہد و تقویٰ و بافیض و کرم تھے۔ ۲۴ جمادی الاول ۱۱۹۴ھ میں مرحوم ہوئے۔

نشات اعلیٰ ان کی منجانب سرکار نظام الملک بہادر بسلطان روم و امرا وغیرہ کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر میں موجود ہیں۔ ان کے مہین فرزند سید ابوالقاسم مخاطب میر عالم بہادر ۷ ارماہ رمضان ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں یہاں تولد ہوئے جس وقت جوان ہوئے ہیں تو ان کی لیاقت علمی و ذہانت طبعی ارسطوجاہ بہادر کے دل میں کھٹکنے لگی۔

---

[1] شجرۂ نواب میر عالم بہادر کہ در نسب سادات نوریہ

در بیان نسب علی سید نعمت اللہ جزایری بن السید عبداللہ[2] بن السید محمد[3] بن السید حسین[4] بن السید احمد[5] بن السید محمود[6] بن السید غیاث الدین بن السید مجد الدین بن السید نورالدین[9] بن السید سعدالدین[10] بن السید عیسیٰ[11] بن السید موسیٰ[12] بن السید عبداللہ[13] بن الامام ابی الحسن موسیٰ کاظم علیہ وعلیٰ آبائہ السلام۔ (سلسلہ صفحہ ۵۶ پر)

بعض تواریخ سے معلوم ہوا ہے کہ سرکار انگریزی کا وکیل مسٹر جانسن کا تقرر منجانب لارڈ منویل بہادر گورنر جنرل کلکتہ ابتداء ۱۱۹۶ھ میں حیدرآباد دکن پر ہوا۔

قدما سے معلوم ہوا ہے کہ رزیڈنسی میں جو کوٹھی رزیڈنٹ بہادر کی سکونت کے لئے ہے وہ حسب رائے میر عالم بہادر تعمیر ہوئی ہے

المختصر ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں مسٹر جانسن بہادر یہاں کے رزیڈنٹ تھے اس وقت میر عالم بہادر درمیان وزیر نظام اور رزیڈنٹ بہادر کے وکیل قرار پائے تھے۔ مرہٹوں کی سرکشی و غارتگری اور ٹیپو سلطان کی تمردی کے انسداد کے لئے یہ رائے قرار پائی کہ سرکار انگلشیہ سے بناء دوستی و اتحاد تازہ و قائم کی جائے تاکہ وقت ضرورت ہمارے شریک حال رہیں۔ بنائے علیہ میر عالم بہادر نے ۱۲۰۴ھ م ۱۷۹۰ء میں سرکار نواب نظام علیخاں بہادر کی طرف سے کلکتہ جا کر لارڈ کارنوالس سے تعلق اور دوستی کا عہد نامہ قائم کیا اور ٹیپو سلطان وغیرہ سے جنگ کرنے میں دونوں قوتیں شریک رہنے کا بندوبست فرمایا۔

نسب نامہ سید[1] ابوالقاسم المخاطب بہ میر عالم مرحوم

بن سید[2] رضی بن سید[3] نورالدین بن سید[4] نعمت اللہ جزیرای بن سید[5] عبداللہ بن سید[6] محمد بن سید[7] حسین بن سید[8] احمد بن سید[9] محمود بن سید[10] غیاث الدین بن سید[11] مجدالدین بن سید[12] نورالدین بن سید[13] سعدالدین بن سید[14] علی بن سید[15] موسیٰ بن سید[16] عبداللہ بن الامام ابی الحسن موسیٰ کاظم علیہ وعلی آبائہ السلام:۔

اپنے مصاحبوں سے کہتے تھے کہ یہ شوشتری بچہ بلائے بے درماں ہے دور ہی سے صرف میرے ہونٹوں کی حرکت پر میری باتوں کو سمجھ لیتا ہے۔ میرے بعد عجب نہیں کہ یہی دیوان ہو۔ یہی وجہ تھی جو ارسطو جاہ بہادر ہمیشہ بظاہر مہربان اور بباطن میر عالم بہادر کے درپے رہے۔

لہ سید نعمت اللہ جزائری چہار پسر داشتند

سید نورالدین — ہشت پسر مخلف شد

سید حبیب اللہ — در صغر سن فوت کرد

سید محمد شفیع — از اولاد ذکور مخلف نشد

سید جمال الدین — یک پسر مخلف شد بنام سید مجدالدین بہ ہندوستان آمد

از دو خبری نشد

۱ سید عبداللہ

۲ سید نعمت اللہ الشہیر بہ آغائی۔

۳ سید حسین

۴ سید محمد

۵ سید فرج اللہ

۶ سید مرتضی

۷ سید طالب — کے فرزند محمد شفیع۔ محمد شفیع کے فرزند سید عبداللطیف خاں

مصنف تحفۃ العالم

برادر نواب میر عالم مرحوم

۸ سید رضی والد نواب میر عالم مرحوم

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۷ پر ملاحظہ ہو۔)

رگوتم راؤ راجہ اندر کو پیشکاری سے موقوف کرکے بمنظوری اعلیٰ حضرت سکندر جاہ بہادر راجہ چندو لعل بہادر کو پیشکاری دلائی اور اپنا پیش دست بنایا قطعہ تاریخ وزارت میر عالم بہادر گزرانیدہ میر حسن علیخاں جولاں یہ ہے ؎

الٰہی در حضورِ میر عالم ٭ بود پیوستہ جشنِ عشرت اندوز
خرد فرمود تاریخ ہمایوں ٭ مبارک باد مہر بہجت افروز ۱۲۱۹ھ

بیرون بلدہ قصبہ بدویل کے قریب ۱۲۲۲ھ میں بائیس[۲۲] لاکھ روپے صرف کرکے تالاب بنوایا اور اس کی نہر بلدہ میں لائی جس کی تاریخ بنا و اتمام کسی نے کہی ہے قطعہ

میر کہ عالم شدہ فرمان برش ٭ نہر رواں کرد بیاد حسین
پیر خرد گفت بمن سال آں ٭ آب بجو رسر دبیاد حسین ۱۲۲۰ھ

ایضاً بابت اتمام ۔ میر عالم نمود کار ثواب ۔ اس تالاب کا سد و بند عجائب روزگار سے بطرز جدید یعنی فقط دیوار سنگ بستہ ہے اور اس میں جانب آب برج نشکل قوی بنائے گئے ہیں ۔

پختہ نہریں تعمیر ہونے کے بعد بتاریخ نیک تالاب کا پانی بلدہ میں ابتداً جاری کیا گیا ہے تو اس روز ہرکارے متعین ہوئے تھے اور وہ دمبدم خبر دے رہے تھے کہ فلاں مقام تک پانی آگیا فلاں محلے میں پہونچا تا آنکہ جب بلدہ میں پانی داخل ہونے کی خبر آئی تو میر عالم بہادر نے فی الفور سجدۂ شکر باری ادا کیا ۔

تالاب مذکور سے آب شیریں کی نہریں جو شہر میں آئیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک

و بدبہ نظام سے ظاہر ہے کہ لارڈ موصوف نے عہدۂ وکالت کو تابقائے سلطنت آصفیہ میر عالم بہادر کے خاندان میں قائم رہنے کا ذکر عہد نامے میں مندرج کرنا چاہا تھا مگر میر عالم بہادر نے براہ وفاداری کہا کہ مالک و آقا کا اختیار ہے جس سے چاہے کام لے وکالت وراثت ہو نہیں سکتی۔

وقت روانگی کلکتہ میر عالم بہادر کی پانچہزار روپے ماہوار قرار پائی اور دو لاکھ روپے نقد مصارف سفر کے لئے عطا ہوئے۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد اسی سال خطاب میر عالم بہادر سے سرفراز ہوئے یہ خطاب بطرز ایران اپنے حسب خواہش لیا اور مدت العمر اسی پر قانع رہے کسی اور خطاب جنگی و دولائی وغیرہ کی خواہش نہ کی۔

۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء میں پھر ٹیپو سلطان کی عہد شکنی و تمرد کی وجہ سے میر عالم بہادر سرگروہ فوج نظام ہو کر گئے اور باشتراک فوج انگریزی سرنگ پٹن فتح کرکے جب واپس آئے ہیں تو نواب نظام علیخاں بہادر نے اپنا خاص ہاتھی میر عالم بہادر کے واسطہ روانہ فرمایا اور تین کوس تک استقبال کو جانے کے لئے امرائے سلطنت کو حکم دیا۔ اور بکمال عزت و شوکت شہر میں لائے گئے۔ اس فتح سرنگ پٹن کے جلدو میں جو روپیہ انعام ملا تھا اس سے میر عالم بہادر نے مچھلی بندر پونا اورنگ آباد وغیرہ کے راستوں پر مسافروں کے واسطے ہر مقام پر سرا باولی مسجد نہایت پختہ تعمیر کرادی جن کی مسافروں کے لئے سخت ضرورت تھی اور اب تک موجود ہیں۔

بموجب تاریخ رشید الدین خانی وغیرہ ۱۲۱۹ھ میں جب میر عالم بہادر دیوان ہوئے تو

قریب حویلی نواب صمصام الملک بہادر سر راہ واقع تھا جس کو ۱۲۱۹ھ میں بنوایا تھا
چنانچہ شیر محمد خاں ایمان کا یہ **قطعہ** تاریخ تعمیر حوض مذکور ہے ؎

شرف بخش وزارت میر عالم ٭ بنا فرمود ایں فرخندہ درگاہ
الٰہی در جہاں ایں فیض جاری ٭ بماند موجزن شام و سحر گاہ
حضور آستان شاہ مرداں ٭ چو وضع حوض عالی شد سر راہ
خرد فرمود تاریخ بنائش ٭ ببیں کوثر لگام پنجۂ شاہ ۱۲۱۹ھ

یہ حوض بعہد میر عالم مرحوم تالاب مذکور کی نہر سے پر آب رہتا تھا گویا سبیل تھی
جس سے عام مخلوق سیراب و فیض یاب ہوتی تھی۔

قدیم بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ تالاب مذکور کا پانی جو بلدہ میں آیا تو اس پانی سے
پہلے پہل **فی سبیل اللہ** یہی حوض بھرا گیا تھا اور اس روز درگاہ موصوف میں بحکم میر عالم بہادر
کئی پلہ شکر شکریہ کامیابی عام مخلوق کو تقسیم ہوئی تھی۔

اس حوض کو بسبب صغیر سنی نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ بوجہ ناپرسانی
سیدھی عنبر خانساماں نے ۱۲۶۱ھ میں منہدم کر کے اس کے حاشیہ وغیرہ کے پتھر ولی سے
جو کہ نہایت مصفّا تھے مسجد منصور خاں کے لئے جو اسی محلے میں واقع ہے حوض بنوا دیا۔
حالانکہ کسی کی وقف کردہ و یادگار تعمیر کو ایسا نابود کر دینا جائز نہ تھا۔

خانساماں مذکور کی ایک اور کارروائی اسی قسم کی جو خالی از دلچسپی نہیں ہے۔
بین ضمیمہ بیان کرنے میں آئے گی۔

جسم ناتواں کی رگوں میں گویا خون تازہ دوڑ گیا ہے۔جان آگئی ہے۔خصوصاً بفیض دریا دلی و مراحم رعایا پروری غفران مکان ۱۳۱۱ھ میں بصرف زر کثیر آہنی نلیں بلدہ میں جہاں تک پانی کی رسائی ممکن تھی بچھ گئیں ہیں۔شاہروں پر جابجا برائے فیض عام ٹونٹیاں نصب ہوگئیں۔اعلیٰ و ادنیٰ جس نے درخواست مع خرچ داخل کی اس کے مکان میں پانی کا نل آگیا۔نل کیسا بلکہ کہنا چاہئے کہ تالاب میر عالم مرحوم اس کو ملا ہے۔ جس قدر پانی جس وقت چاہو لے لو۔چھنا ہوا نفیس پانی مخلوق کو بارام میسر ہو رہا ہے۔
جو پانی انسانوں کو نصیب نہ تھا اب اس سے جانور چوپائے تک سیراب ہو رہے ہیں۔ورنہ قبل تعمیر تالاب مذکور محلات شاہی کے حوض موٹکشی کے ذریعہ کھاری پانی سے بھرے جاتے تھے۔علیٰ ہذالقیاس وزرا ئے امرائے عظام کے ہاں بھی باولیوں ہی سے اجرائے کار ہوتا تھا۔آب خاصہ شاہی اور چند امرائے عظام کے لئے چشمۂ واقع بیرون بلدہ سے جس کا ذکر حالات رکن الدولہ مرحوم میں کیا گیا ہے میٹھا پانی آتا تھا۔ باقی جملہ بندگان خدا اعلیٰ و ادنیٰ باولیوں کا پانی پیتے تھے۔کسی باولی یا کنویں کا پانی زیادہ شور نہ ہوتا اور کسی قدر گوارا ہوتا تھا تو وہ میٹھے پانی کی باولی کہلاتی تھی۔اس کو غنیمت جان کر دور دور سے لوگ آکر پانی لیجاتے تھے۔ساکنان قریب رود موسیٰ ندی کے چشموں کا پانی پیا کرتے تھے جس کے باعث صحت درست نہیں رہتی تھی۔
المختصر میر عالم مرحوم کی یادگار یہ تالاب بلدہ کی جان ہے۔منجملہ یادگار و آثار میر عالم مرحوم درگاہ پنجہ شاہ ولایت مع حوض ہشت پہل وغیرہ جورو بروئے درگاہ موصوف

وحکومت کے عالم میں بصد شوق اپنی بنوائی ہوئی عمارت کو بجائے تہنیت و دعائے بقا۔ ناپایدار اورگذاشتنی کہنا بلکہ کندہ کرادینا دال ہے میر عالم مرحوم کے بیدار دل و باخدا ہونے پر۔

نیز **مسجد جلوخانہ** جو فی الحال میر عالم کی منڈی کہلاتی ہے ۱۲۱۵ھ میں تعمیر ہوئی جلوخانۂ مذکور کی اتمام تعمیر ۱۲۱۲ھ میں ہوئی۔ اسی زمانے میں آبادی **کربلای معلی** کا اور **نجف اشرف** کا حصار خشت و گچ سے بنوایا کیونکہ وہاں پتھر نہیں ہے۔ پرانی **عیدگاہ** بہت فاصلے پر ہونے سے مخلوق خدا مسلمانان مقیم بلدہ کو نماز عیدین کے لئے زحمت ہوتی تھی اس لئے قریب بلدہ اپنے تالاب کے پاس نئی **عیدگاہ** ۱۲۲۱ھ میں تعمیر کی۔

اس زمانے کے بعض بدگمانان بے خبر کا یہ خیال ہے کہ میر عالم مرحوم اس قدر املاک وعمارات وتالاب وغیرہ بغیر ناجائز آمدنی کے کیونکر بنائے ہوں گے۔ مگر افسوس ہے ایسے خیال کرنے والوں سے کہ پہلے یہ نہیں دریافت کرتے کہ میر عالم مرحوم کی آمدنی کیا تھی۔ موازنۂ مذکور بابتہ ۱۲۰۸ف میں ہر ایک وزیر زمانۂ سابق کی تحریر دیوانی بتلائی گئی ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ فی روپیہ تین آنے کے حساب سے جس کا تخمینہ بائیس لاکھ روپے سالانہ ہوتا ہے میر عالم بہادر کو فقط تحریر دیوانی ملتی تھی۔ اس کے سوائے جاگیریں تھیں۔ اور فتح سرنگ پٹن کے صلہ میں زر کثیر خزانۂ شاہی سے عطا ہوا تھا۔ نیز مصارف سفر کلکتہ وغیرہ کے لئے لاکھوں روپے عطا ہوئے ہیں۔ پس بمقابل آمدنی مذکورہ یہ املاک کچھ ایسی زیادہ تو نہیں ہیں۔ اور املاک بھی اکثر باقیات الصالحات و باعث آرام مخلوقات مساجد سرا چاہ مسافروں کے واسطے اہل شہر کے لئے مساجد عیدگاہ خصوصاً تالاب تو ایسا بنوایا ہے

بعہد میر عالم بہادر مرحوم ۱۲۲۲ھ میں **باغ بارہ دری** بھی لب رود موسیٰ تیار ہوئے علاوہ کئی مکانات تیار کرنے کے ایک قصر عالیشان موسوم بہ **گلزار محل** بطرز ایرانی بنوایا۔ اس باغ کی تاریخ ایمان نے خوب کہی ہے اور وہ یہ ہے ؎

ہر قصر ز حسن رشک ایوان بہشت ٭ ہر نہر رواں ز آب خوش جان بہشت
آراستہ شد چو باغ میر عالم ٭ رضوان تاریخ گفت بستان بہشت

قصر ندکور کو لکڑ کوٹ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں زیادہ تر چوبینہ صرف ہوا ہے۔ اس کے نیچے کے درجے میں جو بیچ کی رواق کلاں ہے اس کی پیشانی کے تختے چوبین پر جو کندہ ہے نقل اس کی یہ ہے۔ **یا اللہ یا حفیظ یا قہار بسم اللہ خیر الاسماء ذات التی من منزلا مبارکا و انت خیر المنزلین والحمد للہ رب العالمین** ؎

متوصد ز کاخ و صفۂ و ایوان نگاشتن **یا اللہ** کاشانہ ہای سر بفلک بر فراشتن
گلہائے رنگ رنگ درختان میوہ دار **الحفیظ** در باغ و بوستان ز سر شوق کاشتن
دانی کہ چیست تا بمراد دل اندرآں **یا قہار** یک لحظہ دوستی بتواں شاد و داشتن
ورنہ چگونہ مردم عاقل بنا کنند ٭ از گل عمارتی کہ بباید گذاشتن

سنہ فی یکہزار دو صد بست و سہ ہجری نبوی۔ بتعلم نادر قلم خان عمل امام یزدی

کتبہ محمد باقر خان نادر قلم

سبحان اللہ بنائے باغ و عمارت کی وجہ کیا پاکیزہ بتلائی ہے۔ اور کمال ثروت

میر عالم مرحوم کے ایک بھائی سید زین العابدین تھے جن کی اولاد صاحب جاگیر ایرانی گلی میں سکونت پذیر ہے۔

میر عالم بہادر بتاریخ ۲۳ ماہ شوال ۱۲۲۳ھ دنیائے فانی سے عازم بہشت بریں ہوئے۔ انہیں حسب وصیت درگاہ پنجہ شاہ میں دفن کرنے والے تھے لیکن نواب سکندر جاہ بہادر نے ارشاد فرمایا کہ میر صاحب کو میر صاحب کے پاس رکھنا مناسب ہے یعنی دائرہ میر مومن صاحب قدس سرہٗ میں لہذا دایرۂ مذکور میں ان کا دفن ہوا۔ میر عالم مرحوم نے درگاہ موصوف میں جو قبر اپنے لیئے بنوا رکھی تھی وہ قبر خالی ہنوز باقی ہے۔

میر عالم مرحوم صاحب علم و فضل تھے۔ نظم و نثر میں کمال مہارت و طبع رنگیں رکھتے تھے باوجود کثرتِ اشغالِ خدمت و مہماتِ دولت امور اخروی سے غافل نہ تھے۔ منجملہ تصنیفات و تالیفاتِ مرحوم موصوف جو کتابخانۂ نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ میں موجود ہیں یہ ہیں۔ مصباح العارفین در طریقۂ نماز تہجد وغیرہ عبادات۔ رسالۂ ترکیبِ زیارت عاشورہ وغیرہ دہ مجالس عزائے سید الشہدا علیہ السلام۔ حدیقۃ العالم تاریخ مشہور و مطبوعہ ۱۲ھ اس کو بستانِ آصفیہ میں مولفۂ سید عبد اللطیف خاں بتلایا ہے حالانکہ مولفۂ خان موصوف یہ نہیں ہے بلکہ تحفۃ العالم ہے جو کہ ۱۲ھ میں طبع ہوئی ہے۔ مثنوی جس کے چند شعر بغرض ملاحظہ لطف طبع ناظم ہدیۂ ناظرین یہ ہیں ؎

ای مہر سپہر آشنائے ❊ سرتا پائے تو دلربائے
ای مردم دیدۂ محبت ❊ سرتا قدمت طلسم الفت

کہ تمام بلدہ کی جان ہے۔ ایسے سید جلیل القدر و بزرگ با فیض مرحوم کی نسبت بد گمانی و بہتان گناہ عظیم ہے۔

اندرون دروازہ چادر گھاٹ ایک باغ زیب النساء بیگم کا کہلاتا تھا جس میں دو منزلہ بارہ دری عالیشان تقریباً چالیس برس کے قبل تک بھی خستہ حالت میں باقی تھی اس کے روبرو ایک حوض بہت بڑا تھا جس میں تالاب میر عالم مرحوم سے نہر آئی ہوئی تھی۔ نیز باغ میں ایک باولی کئی موٹ کی تھی اور چھوٹے حوض کیاریاں پختہ نیز آثار دیگر امکنہ وغیرہ تھے اس باغ کی دیوار جانب شرق فصیل شہر پناہ تھی۔ جانب غرب اس کا بہت بڑا مستحکم دروازہ سر راہ واقع تھا کہ ہاتھی مع عماری جس میں سے جا سکتا تھا۔ فی الحال اسی مقام پر بنڈی خانہ علاقہ صرفخاص مبارک تیار ہوا ہے۔ بیگم موصوف مرحومہ زوجہ میر عالم مرحوم کی تھیں معلوم نہیں کہ وہ باغ کس وجہ سے سرکار عالی کے علاقہ میں ہو گیا۔ اب اس باغ کی زمین پر ایک محلہ آباد ہوا ہے موسوم بہ عثمان پورہ۔

میر عالم مرحوم کی دو دختریں ایک بطن سے تھیں جن کا ذکر احوال منیر الملک بہادر ثانی میں کیا جائے گا۔

تیسری دختر خیر النساء بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی محمد نقی خاں سے ہوئی جو کہ پردادا میر امام علیخاں عرف حاجی صاحب مرحوم کے تھے۔ اور ایک فرزند سید رضی نام ۱۱۹۹ھ میں متولد اور ۱۲۱۵ھ میں مخاطب بہ میر دوران ہوئے ان کی شادی نورجہاں آرا بیگم بنت بہرام الملک ثانی سے ہوئی تھی۔ انتقال پر ملال ان کا در عین شباب بلکہ در آغاز شباب ماہ رجب ۱۲۱۶ھ میں ہوا۔

دو کلمے صیغۂ نکاح میں کیا اثر ہوئے گا کہ اس کے پڑھنے سے مرد کے لئے عورت حلال ہو جاتی ہے ورنہ حرام ۔ یہ سن کر میر عالم مرحوم نے ای زنجلب (بھڑوے) کہا اور ساتھ ہی کھڑے ہو کر مشغول نماز ہو گئے ۔ اس خطاب سے ملّا طاہر کا رنگ رو متغیر ہو گیا اور پیچ و تاب کھانے لگا تا آنکہ میر عالم مرحوم نماز سے فارغ ہوئے اور اس کو برہم دیکھ کر فرمایا ائے ملّا دیکھا تم نے کلمہ میں کیسا اثر ہوتا ہے اب تو نہ کہو گے کہ دو کلمہ عقد نکاح میں کیا اثر ہوگا ۔

شکل تو بہ کلکِ دل مصوّر ٭ جسم تو بآب جان مخمّر
از شوق تو شد جہاں پُر شور ٭ از رگ رگ من عیاں چو طنبور
شور تو عیاں نہ بر زبانم ٭ سوزِ تو نہاں بمغز جانم
تا روی ترا بمن نمودند ٭ در ہائے بلا بمن کشودند

نقشات بنام ارسطوجاہ بہادر وغیرہ موسوم بہ **باغ بہار** اسم تاریخی جن میں ایک رقعہ مختصر یہ ہے۔ **بنام اعلحضرت آصفجاہ ثانی در شکر عنایاتِ خربوزہ توام**

در موقوف ادائی آداب دوگانہ شکر نعمت والا و مرحمت دوبالا یعنی زوج خربوزہ توام کہ از پیشگاہ فضل و کرم بنہایت آنہم آغوش افتخار و امتیاز دوش بدوش مکرمت و اعزاز گردیدہ و شجرۂ قامت عبودیت استقامت را بہ ثمرۂ قواعد کورنش و تسلیم راکع و ساجد ساختہ میوۂ مزبور مضاعف رسم معہود از نظر عالم پرور میگذراند لیکن چوں اینقدر قسم اوّل یک دفعہ بہم نمیرسد بدفعات بمعرض عرض خواہد رسانید تا مزرعہ اخضر فلک بہ اثمار کواکب مثمر و بارور است حدیقہ عمر و اقبال خدیو بیہمال از آبیاری لطف حضرت باری تازہ و ریان و بسرسبزی خلود و دوام تواماں باد برب العباد۔

ان کا ایک اور مجموعۂ انشا موسوم بہ انشاء عالم تھا جس کا ذکر مرقعہ عبرت میں ہے۔

میر عالم مرحوم کی قابلیت معقول و منقول کا اندازہ اس واقعہ سے ناظرین فرما سکتے ہیں کہ ایک روز ملا طاہر دہریہ مذہب ایرانی خدمت میر عالم مرحوم میں حاضر ہوا تھا۔ اثنائے تقریر میں عقد نکاح کا ذکر آگیا تو کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ

تتمۂ احوال علی زمانخاں المخاطب حیدر یارخاں بہادر نیر الدولہ نیر الملک ثانی امیر الامرا

واضح ہو کہ تیسرے فرزند محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ مرحوم کے نیر الملک ثانی موصوف جد امجد نواب صاحب مغفور کے جو بسبب قابلیت و اقبالمندی ارشد اولاد تھے بعد وفاتِ والد پیشگاہ غفران مآب میر نظام علی خاں بہادر سے بخطاب حیدر یار خاں بہادر غیور جنگ نیر الدولہ نیر الملک و منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار علم و نقارہ و پالکی جھالر دار سے سرفراز ہوئے۔ نیز از روے سیاہہ دفتر تاریخ رشید الدین خاں وغیرہ ثابت ہے کہ ۱۲۴۶ھ میں خطاب امیر الامرا سے بھی ممتاز ہوئے تھے۔ جب کہ ارسطوجاہ بہادر پونا گئے تھے اون کے متعلق جملہ کاموں یعنی نظم و نسق ابواب خاص حضوری و بندوبست فوج سرکاری کو نواب غفران مآب نے بہ کمال عنایات و اعتماد نیر الملک بہادر ممدوح کے اختیار میں دے دیا تھا۔

میر عالم بہادر مرحوم نے حدیقۃ العالم میں تحریر فرمایا ہے کہ جیسا کہ حضرت رسول الثقلین ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر خاتون جنت بحکم الٰہی حیدر صفدر سے منسوب ہوئیں اسی طرح نور چشمی محبہ ابو القاسم کی جو ذریت رسول اکرم سے ہے اس حیدر ابن صفدر سے یعنی حیدر یار خاں نیر الملک ابن محمد صفدر خاں اشجع الملک سے

علی زمان خان بہادر غیور جنگ منیر الدولہ منیر الملک امیر الامرا

۱۱۸۴ھ — ۱۲۴۸ھ

[illegible]

[illegible]

[illegible] صفدر [illegible]

بامر تقدیر الٰہی و حکم بندگان عالی حین حیات والد نامزد ہوئی ۔ بعد والد یعنی بعد رحلت اشجع الملک مرحوم بندگان عالی نواب آصفجاہ ثانی نے بہ کمال مراحم خسروانہ نواب نیر الملک بہادر کو اپنے دولت خانہ میں طلب فرما کر مکان گلشن محل شادی کے لیے عنایت فرمایا۔ رسوم ابتدائی مانند رنگپاشی وغیرہ لوازم شادی کو بھی بتوجہ خاص بہ کمال بشاشت ادا فرمائے ستر۱۷ھویں ماہ ربیع الاولی سے یعنی تاریخ آغاز شادی سے مع محلات مبارک بالباس رنگین روزانہ دو مرتبہ تاختم شادی رونق افزائے بزم شادی ہوتے رہے۔ اور جملہ مصارف شادی خزانہ شاہی سے مرحمت فرمائے ۔ بتاریخ چار۱۴ ہم ماہ ربیع الاخری ۱۲۱۴ھ جو کہ جلوہ کا روز تھا ہار ۔ سرپیچ مع جیغہ ۔ کلگی ۔ طرہ ۔ دستبند مرصع یہ سب اپنے دست مبارک سے نوشہ کے سر و بازو پر باندھے ۔ عروس کو بھی بعطائے زیور جواہر گراں بہا زینت بخشی نیز نوشہ کی والدہ کو جواہر بیش قیمت مرحمت فرمایا ۔

واضح ہو کہ اس شادی کے قبل نیر الملک بہادر موصوف کے ایک اکبر اولاد تھی ۔ یعنی محمد صفدر خاں بہادر ذوالفقار جنگ اکرام الدولہ اکرام الملک ۔ ان کی شادی بنت حسن یار جنگ حسن یاور الدولہ ابن امین الملک مرحوم مسماۃ مبارک بیگم صاحبہ سے ہوئی ۔ جن کا انتقال ہشتم ذیقعدہ ۱۲۳۱ھ کو ہوا ۔ اس مرحومہ کے بطن سے اکرام الملک مرحوم کو ایک فرزند تھا اور ایک دختر تھی ۔ فرزند کا نام ازروئے بیاہہ دفتر لالہ بہادر میر بہرام علیخاں بہادر غیور جنگ تھا جو ہمراہ پدر عربوں کے ساتھ مقتول ہوا ۔ ان کی یعنی میر بہرام علی خاں کی ایک دختر نظام النسا بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی میر حیدر علیخاں

کا عقد بتاریخ گیارہ ماہ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ نواب خانخاناں بہادر ممدوح سے ہوا۔ دختر کلاں منور بیگم نا کتخدا ہنوز موجود دختر سومی خورد مسماۃ کا انتقال میں ہوا

دوسرے فرزند سید عبد اللہ خاں بہادر کے میر ولایت علی خاں بہادر فوجی جنگ ان کی دختر مسماۃ ریاض النسا بیگم زوجہ میر موسی رضا خاں مرحوم ابن سید عاقل خاں مرحوم نبیرہ بہرام الملک مرحوم۔

تیسرے فرزند میر محمد سلیمان خاں بہادر۔ ان کی ایک دختر مسماۃ دلارا بیگم زوجہ میر عنایت علی ابن میر پرورش علی جاگیردار داروغہ پادشاہی عاشور خانہ وغیرہ جس کا انتقال پہلی زچگی کے چھ روز بعد ہوگیا اور مولود بھی نہ رہا۔

چوتھے فرزند میر محمد کاظم علیخاں لاولد فوت ہوئے۔

دختر سید عبد اللہ خاں موصوف کی ایک مسماۃ امیر النسا بیگم صاحبہ جن کی شادی سزاوار جنگ بہادر ابن مختار الدولہ بہادر سے ہوئی۔ ان کے بطن سے میر یاور علیخاں بہادر شہاب جنگ افتخار الملک حال پیدا ہوئے۔

دوسری دختر کریم النسا بیگم صاحبہ ان کی شادی مرزا شمشیر علیخاں ابن مرزا محمد علیخاں مستقیم الدولہ ثانی سے ہوئی۔ بعد زچگی کے ان کا بھی انتقال مع مولود ہوگیا۔

میر عالم بہادر نے اپنی پہلی دختر نفیسہ بیگم صاحبہ فوت ہونے کے بعد دوسری دختر عفیفہ مسماۃ صاحبہ بیگم صاحبہ ہمشیرہ حقیقی نفیسہ بیگم مرحومہ کو باجازت و ایمائے اعلیحضرت مغفرت منزل ۱۲۱۹ھ میں نیر الملک بہادر موصوف سے شادی کردی۔

ابن میر مہدی حسن خاں مرحوم ابن داور جنگ مرحوم سے ہوئی۔ بطن نظام النسا بیگم صاحبہ سے تین فرزند ہیں ایک تراب جنگ بہادر دوسرے حسن یار جنگ بہادر تیسرے حیدر یار جنگ بہادر۔ اور ایک دختر شہر بانو بیگم صاحبہ تہیں جن کی رحلت ہوگئی ہے۔

اکرام الملک مرحوم کی دختر کا نام سلطانی بیگم صاحبہ تھا اور وہ نیر جنگ اشجع الدولہ مرحوم سے جن کا ذکر آیندہ آئیگا بیاہی گئیں۔

الحاصل شادی کے بعد دختر میر عالم مرحوم مسماۃ نقیبہ بیگم صاحبہ کے بطن سے بتاریخ بست وہشتم محرم ۱۵ ۱۲ھ منیر الملک بہادر کو فرزند خدا نے دیا مگر بعد دو ساعت صاحبہ موصوفہ نے انتقال کیا۔ اس واقعہ کے بعد اعلحضرت نے بہ کمال نوازش ارسطو جاہ بہادر کو میر عالم بہادر کے پاس برسم تعزیت روانہ فرمایا اور یہ ارشاد ہوا کہ اس مولود کا نام سید عبداللہ خاں بہادر رکھا جائے۔ سید عبداللہ خاں بہادر موصوف المخاطب بہ قوی جنگ اشجع الدولہ کے چار فرزند تھے اور دو دختر۔ ایک فرزند میر جواد علی نیر جنگ اشجع الدولہ بہادر جو کہ عہد دیوانی نواب صاحب مغفور میں افسر اعلیٰ جمعیت نظم سرکار عالی کے ہوئے تھے۔ جن کی رحلت انیس ۱۹ ماہ شعبان ۱۳۰۹ھ میں ہوئی۔ ان کا ایک فرزند محمد علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ تھا جو روبروے پدر ۱۳۰۸ھ میں مرحوم ہوا۔ اور ایک دختر مسماۃ دیدار النسا بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی نواب نظام یار جنگ بہادر خانخاناں بہادر سے ۱۳۰۸ھ میں ہوئی۔ بعد رحلت دیدار النسا بیگم صاحبہ جو ۱۳۱۰ھ میں واقع ہوئی دختر متوسط ذوالفقار جنگ موصوف خیر النسا بیگم صاحبہ

قطعہ تہنیت وتاریخ منظومہ میر جولان یہ ہے ؎

زہی شادی کہ از جوش مسرت | جہاں یکسر چو گلشن یافت تزئیں
برونق بزم چنداں منعقد شد | کہ حسرت می نماید عقد پروین
بپرداردہمہ اوقات ہر یک | قبائے مثل گل خوشبو و رنگیں
برای آسماں قوس قزح شد | حمایل آنقدر ہا ساخت گلچیں
چنیں جشن طرب افزا ندیدند | بعہد خوشتن پرویز و شیریں
بخلقت آنقدر شد بذل انعام | زبان بکشاد یک عالم بہ تحسیں
چو شد مہر و منیر و ماہ باہم | زمانہ یافت از آشوب تسکیں
دعا کردیم جولاں بہر دولت | ملایک بر فلک گفتند آمیں
خرد فرمود تاریخ مبارک | قرآن نیرین عزت آمین ۱۲۱۹ء

اس بی بی کے بطن سے دو فرزند ۔

ایک والد نواب صاحب مغفور کے میر محمد علی خاں بہادر سالار جنگ شجاع الدولہ ۱۲۲۲ء میں متولد ہوئے ۔ ان کا قطعہ تاریخ میلاد منظومہ سید میرزا غالب یہ ہے ؎

چوں نواب ما تیر الملک | داد ایزد پسر بوجہ احسن
سال میلاد او چو پرسیدم | عقل گفتا ستارۂ روشن

ان کی رحلت عین شباب میں یعنی پچیس ۲۵ برس کے سن میں ۱۲۴۷ء میں ہوگئی ۔

محمد علی خان بہادر سالار جنگ شجاع الدولہ

۱۲۲۲ھ ۱۲۴۷ھ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ان کی مہر کا سجعہ یہ تھا ۔ بود جانشین محمد علی ۱۲۳۷
دوسرے فرزند میر عالم علیخان بہادر سراج الملک عمو نواب صاحب مغفور کے
سنہ ۱۲۲۴ھ میں متولد ہوئے ۔ ان کے تولد کا مادہ تاریخ طبعزاد بابورائے یہ ہے ۔
خورشید جہاں آمد ۱۲۲۴ ۔ ان کا سجعۂ مہر یہ تھا ۔ بود یاور سر دو عالم علی ۱۲۳۷
ان کا باقی احوال بسلسلۂ وزرا آیندہ برمحل بیان کیا جائے گا ۔ فی الحال کیفیت
منیر الملک بہادر ثانی کی تکمیل لازم ہے کہ بعد رحلت میر عالم بہادر ماہ شوال سنہ ۱۲۲۳ھ میں
نواب منیر الملک بہادر موصوف دیوان سلطنت ہوئے ۔ مادہ تاریخ من اوصاف منیر طبعزاد
نور علی یہ ہے ۔ منیر الملک شد وزیر دکن سلمہ اللہ ۱۲۲۳ ۔ بہادر موصوف نے اپنے عہد وزارت
میں حتی الامکان انتظام سلطنت میں کوششیں کیں ۔ عدالت کا انتظام جو سلطنت کے لیے
واجبات سے ہے فرما رہے تھے چنانچہ ایک عدالت موسوم بعدالت بزرگ قایم کی گئی تھی ۔
جس کے ناظم مولوی شرف الدین وغیرہ ہوئے تھے ۔ اسی طرح اور امور سلطنت وغیرہ
کی اصلاح کا خیال تھا ۔ مگر بہادر موصوف خاطر خواہ کیا کر سکتے تھے کہ برائے نام وزیر تھے
نہ دفتر دیوانی نہ خزانہ عامرہ نہ کوئی اختیار حاصل تھا ۔ عطائے جاگیرات و انعام وغیرہ
جملہ مداخل و مخارج ریاست کے متعلق خاص اعلیحضرت کے احکام جاری ہوتے تھے ۔
وثائق و اسناد خوشحال چند اہل دفتر کے پاس داخل ہوتے تھے ۔ مدار المہام وقت کو
کوئی پوچھتا نہ تھا ۔ مہاراجہ بہادر تو پیشکار و مرجع ریاست ہی تھے ان کا ذکر کیا ہے
بلکہ خوشحال چند و لالہ بہادر کے دیوانخانہ میں روزانہ دربار رہتا تھا ۔ جاگیردار و تعلقدار

حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ خود منیر الملک ثانی کی شادی دختر میر عالم مرحوم سے ہوئی ہے اور ان کے فرزندوں میں کسی کو منیر الملک خطاب نہیں ہوا ہے غالباً ترجمہ کرنے میں یا کتاب مرقعہ عبرت میں یہ غلطی واقع ہوگئی ہے ۔

وانعامدار و منصبدار وغیرہ حاضر رہتے تھے۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جس سے کام نکلتا ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں اپنے مقاصد انسان پاتا ہے اسی کی طرف دوڑتا ہے ؎

ہر کجا چشمۂ بود شیریں　　　مردم و مرغ و مور گرد آیند

الغرض منیر الملک بہادر برائے نام مدار المہام رہ کر جملہ کار و بار دیوانی بمقتضائے مصلحت وقت اپنے پیشکار مہاراجہ چندو لال بہادر کے ذمے کر دیے تھے کیونکہ بقول مولف رشید الدین خانی و مسٹر کریل مولف امانی علاقہ برار۔ مہاراجہ بہادر پیشکار بھی اور رزیڈنٹ بہادر عہد کے سازگار بھی تھے اور میر عالم بہادر مرحوم کے دست گرفتہ و ہوشیار بھی تھے پیشکاری و دیوانی ہر دو خدمات کو ہوشیاری و ہمت سے انجام دیا۔ نذرانہ و پیشگیات سے کام لیا۔ جس کو چاہا جاگیریں عطا کیں جس کو چاہا اس سے لے لیں۔ نزدیک و دور سخاوت میں مشہور ایسے ہوئے کہ اہل بنارس وغیرہ اس حیدر آباد کو چندو لعل کا شہر کہنے لگے تھے۔

المختصر منیر الملک بہادر ثانی سنہ ۱۱۸۴ھ میں متولد ہوئے اور پچیس سال وزیر سلطنت رہ کر سنہ ۱۲۴۸ھ میں مرحوم ہوئے۔

مرقعہ عبرت میں مرقوم ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے کو یہی خطابات دیے گئے اور وہ منیر الملک ثالث ہوئے اور ان کی شادی میر عالم مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی۔

جن میں مولف کے والد مرحوم بھی شریک تھے ۔ مہاراجہ بہادر کو مذاقِ سخن بدرجہ کمال تھا۔ اہلِ سخن کی نہایت قدر فرماتے تھے اور خود بھی زبان فارسی اور اردو میں عمدہ شعر کہتے تھے ۔ شاداں تخلص تھا۔ چنانچہ دیوان ان کے فارسی اور اردو ہردو کتابخانۂ سرکار نواب سالارجنگ بہادر دام اقبالہٗ میں موجود ہیں ۔

المختصر تخمیناً گیارہ سال بالاستقلال مدارالمہام و مرجع خاص و عام رہ کر ۱۲۵۹ھ میں مدارالمہامی کا استعفا دیدیا ۔

بستان آصفیہ میں مرقوم ہے کہ جب منیرالملک مدارالمہام کا انتقال ہوا تو امورات دیوانی معطل رہے لیکن اپنے بڑھے ہوئے رسوخ کے باعث راجہ صاحب تمام ملکی و مالی انتظامات کرتے رہے آپ کی فیاضی و خیرات کا یہ انجام ہوا کہ ملک کے مخارج مداخل سے زیادہ ہوگئے ۔ افواج اور اعزائے حضور پرنور کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور لوگوں کو تکلیف ہونے لگی اور آخرکار حضور نظام نے فریزر رزیڈنٹ بہادر کے مشورہ سے بتاریخ ۱۱ شعبان ۱۲۵۹ھ مہاراجہ کو معزول کرکے تیس ۳۰ ہزار روپے ماہانہ مقرر فرمایا ۔

مہاراجہ ۱۲۶۱ھ میں فوت ہوئے ان کے عہد وزارت میں بھی مقدمات فوجداری کے لیے ایک عدالت قائم ہوئی تھی اس کے ناظم مولوی کرامت علی تھے اس زمانے میں بعض عدالتی مقدمات خاص مدارالمہام کے پاس بھی پیش ہوتے تھے اور مدارالمہام جو مناسب جانتے تھے اس کے متعلق حکم دیتے تھے اس حکم کو اکثر

مختصر ذکر دیوانی راجایاں راجہ مہاراجہ راجہ چندو لعل بہادر

کسی قدر بیان کارگزاری عہد پیشکاری مہاراجہ بہادر جو دراصل وہ مدارالمہامی تھی بضمن ذکر منیر الملک بہادر مرحوم کیا گیا ہے۔

باقی اجمالاً کیفیت یہ ہے کہ تولد ان کا سنہ ۱۱۷۷ھ میں ہوا۔ بعہد سکندر جاہ مغفرت منزل خطاب راجگی و بہادری و عطائے عماری سنہ ۱۲۱۲ھ میں۔ خدمت پیشکاری سنہ ۱۲۲ھ میں۔ خطاب مہاراجگی مع پالکی و نوبت سنہ ۱۲۳۵ھ میں اور ایک کرور روپیہ بطور قرض مرحمت ہوا۔ بعد مغفرت منزل کے نواب ناصر الدولہ بہادر نے بصلہ خیر خواہی وہ قرضہ کلہم معاف کر دیا اور سنہ ۱۲۴۶ھ میں خطاب راجہ راجایاں راجہ مہاراجہ راجہ چندو لعل بہادر سے سرفراز فرمایا تا آنکہ بعد وفات منیر الملک مرحوم سنہ ۱۲۴۷ھ میں مہاراجہ چندو لعل بہادر بالذات مدارالمہام بھی ہو گئے تھے۔ نہایت منتظم و زکی و سخی و جفاکش و لائق تھے۔ شب و روز دربار داری و کارگزاری میں سرگرم رہے۔ دربار کے وقت قوال گاتے تھے۔ حتیٰ نصف شب کے وقت بھی شعرا کا دربار منعقد ہوتا تھا جس میں علاوہ اہل ملک و اہل ہند کے شعرا و فضلائے اہل ایران بھی حاضر رہتے تھے۔ اور خوان کرم سے ان کے مستفیض و ماہوار یاب تھے

مجملاً ذکر وزارت نواب فخرالدینخاں شمس الامرا امیر کبیر بہادر

بعد عزل سراج الملک بہادر نقل عبارت مندرجہ تاریخ رشید الدینخانی یہ کہ ۱۲۶۵ھ میں نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر دیوانی سے سرفراز ہوکر سپاس بے قیاس احدیت کا ادا کر کے بقائے دولت ولی نعمت چاہی ۔ پانچ ماہ چند روز کے عرصہ میں اہل غرض نے اعلحضرت کو بدظن کر دیا ۔ مگر اس عرصہ میں تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ ادا کرتے رہے اور انتظام اچھا ہو رہا تھا کہ بار دیوانی سے سبکدوش کیے گئے ۔ مگر اتنا ہوا کہ پانچ لاکھ روپے جو بابت کنٹنجنٹ و رسالہ اور پائیگاہ کے اخراجات دیوانی میں فاصل ہو گئے تھے ناحق ان لوگوں کا بھی چوماہا چڑھ گیا اور دنگا ہوئے ۔ عادی ماہ بماہ تقسیم لینے کے تھے اذیت اٹھانی پڑی الخ

امیر کبیر بہادر کا تولد ۱۵ رماہ رمضان ۱۱۹۵ھ میں ہوا اور ۱۹ رماہ شوال ۱۲۷۹ھ میں رحلت ہوئی ۔

منخاصمین مان بھی لیتے تھے ۔

مہاراجہ چندولعل کے بعد راجہ رام بخش بہادر وغیرہ کے ذمہ چند ے انصرام امور دیوانی رہا۔

سترہ ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ میں نواب سراج الملک بہادر دیوان ہو کر حتی الامکان انتظام امور مملکت اور عدل و انصاف کا سامان کر رہے تھے کہ معزول ہو گئے ۔

مختصر احوال نواب میر عالم علیخاں بہادر شیر جنگ سراج الدولہ سراج الملک

ان کا سنہ میلاد و حسب و نسب کا ذکر نیر الملک بہادر ثانی کے حالات میں کیا گیا ہے۔ مجملاً یہ کہ بعد عزل نواب امیر کبیر بہادر دوبارہ آخر شعبان ۱۲۶۷ھ میں مدار المہامی سے سرفراز ہوئے اور تا دم رحلت یعنی ۷، شعبان ۱۲۶۹ھ تک اپنے آقائے ولی نعمت کی خیر خواہی و کارگزاری میں حتی الامکان سعی کی اور ادائے فرض منصب کا لحاظ رکھا جیسا کہ سابق کے ہر ایک دیوان کارگزار کو رہا ہے۔ حالانکہ غفران منزل سے اکثر اختلاف رہا ہے۔ سراج الملک بہادر جب کبھی باریاب ہو کر معروضہ کرتے تھے تو غفران منزل کو یہ خیال ہوتا تھا کہ مجھ سے آنکھیں نکال کر باتیں کرتا ہے۔ حالانکہ ان کی بڑی بڑی آنکھیں خلقتاً ویسی ہی تھیں۔ سیدی عنبر خانساماں کا بیان تھا کہ خصوصاً جب نیند سے بیدار ہوتے تھے تو شیر کی سی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں استغنائی و بے پروائی تھی جیسی کہ کارگزاران متدین کے طبایع میں ہوا کرتی ہے چنانچہ یہ واقعہ اب تک بین قدما یہاں مشہور ہے کہ جس روز غفرآن منزل نے وزارت ان سے لے لی تھی اور اس روز مخفی طور پر ان کی خبر منگوائی تو معلوم ہوا کہ رقص ارباب نشاط ہو رہا ہے۔ یہ سن کر فرمایا عجب بے پروا آدمی ہے

عالم علیخان بہادر شیر جنگ سراج الدولہ سراج الملک

۱۲۲۴ھ

۱۲۶۹ھ

تعلیم طب انگریزی کا مدرسہ انہیں کے یعنی سراج الملک بہادر کے عہد دیوانی میں بمقام رزیڈنسی ابتداءً قایم ہوا تھا۔ اور مطبع سنگی بمبئی سے منگوایا گیا تھا۔ نیز انتظام عدالت ومیر عدل وغیرہ کی تجویزیں تھیں مگر زندگی نے وفا نہ کی بتاریخ ۱۷ ماہ شعبان ۱۲۶۹ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ تین چار سال میں کیا ہوسکتا تھا خصوصاً اس زمانے میں جس کا بیان آیندہ ہوگا اس زمانے کے لئے تو خالق نے **سر سالار جنگ مختار الملک بہادر اوّل** ہی کو خلق فرمایا تھا جس کی نسبت یہ کہنا زیبا ہے کہ خلاق عالم کو منظور ہوا تھا کہ یہ ریاست ضعیف شدہ از سر نوجوان اور رئیس ورعایا کی آسودگی و مرفہ الحالی کا سامان ہوجائے لہذا ایک انسان ایسے دل ودماغ کا پیدا فرمادیا جس کو اہل یورپ نے بسمارکِ انڈیا کہا ہے۔ واضح ہو کہ مختار الملک مغفور اوّل کے حالات کو مؤلف باب دوم میں بیان کرے گا کیونکہ پہلے زمانۂ قبل مدار المہامی نواب صاحب مغفور کے حالات حتی الامکان بتالانا مقصود ہے۔

باب اوّل

دربیان حالات ریاست حیدرآباد دکن قبل زمانۂ مدارالمہامی نواب میر تراب علیخاں بہادر سر سالار جنگ شجاع الدولہ مختار الملک جی سی ایس۔آئی ڈی۔سی۔ایل۔

پہلے مجملاً کیفیت جمع وخرچ علہائے سابقہ منجملہ موازنہ جمع وخرچ ۱۲۰۸ف جس کو مولف نے فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے درج ذیل کی جاتی ہے۔اور جمع وخرچ عمل مدارالمہامی نواب صاحب مغفور مندرجۂ موازنہ مذکور ببیانِ عمل موصوف میں بتلایا جائے گا۔

یہ موازنہ وہ ہے جو ابتداءً حسب الحکم مدارالمہام نواب مختار الملک مغفور اوّل بہ نگرانی کرم الدولہ بہادر مرحوم صدرالمہام مال مرتب ہوا تھا۔اس کے قبل ممالک محروسہ سرکار عالی کا موازنہ مداخل ومخارج اس ترتیب وتفصیل کے ساتھ کبھی مرتب نہیں ہوا تھا۔

(۳) چونکہ اخراجات معمولی طور پر آمدنی سے زیادہ تھے اس لیے پیشگی رقمیں اور زیادہ نذرانے لینے کا دستور تعہد تعلقات کے لیے تھا اور جلد جلد اہل معاملہ کو موقوف کر دیتے تھے۔ اور مال و املاک در سوم زمینداری ضبط کرنے کا اور مالی عدالتی مقدمات میں جرمانہ و نذرانہ لینے کا طریقہ اسی لیے رواج پایا تھا بلکہ ایسے رقوم ہر ماہ میں بنام فروعی اہل دفتر وغیرہ کے ذریعے سے جمع ہوتے تھے۔ اور جو کچھ کہ رقم دفتر کے ذریعہ سے جمع ہوتی تھی اس کی فردیں بغیر مداخل و مخارج کے دستخطی مہاراجہ متوفی آتی تھیں۔ خالصہ کے تعلقات ادائی پیشگیات و نذرانہ کے لئے پیشگی و نذرانہ دینے والوں کے قبضے میں رہتے تھے بسبب خزانہ خالی رہتے اور وصول نہ ہونے زر تنخواہ کے جمعداروں اور تنخواہ داروں اور قرض خواہوں نے اکثر دیہات و تعلقات اپنی تنخواہ میں بطور تنخواہ جاگیر لے لیے تھے۔ اسی سبب سے لاکھوں روپے محاصل کا ملک تنخواہ جاگیروں میں اور ادائی قرضہ میں مقرر ہو گیا تھا۔ اور بہت کچھ ماہواریں جمیعت و منصب واقربایان خاص کی برآیندہ ہو جاتی تھیں اور سپاہ بسبب نہ صادر ہونے احکام تنخواہ کے سرکشی کرتی تھی۔ قرض خواہ سختی کے ساتھ تقاضہ کرتے تھے اور اہل منصب وغیرہ بھی تکلیف میں بسر کرتے تھے۔

(۴) مہاراجہ متوفی کے بعد بھی یہ سبب زیر باری سرکار وہی حالت ابتری و بدنظمی کی روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ راجہ رام بخش کی عمل نیکاری میں جمیعت کینٹجنٹ کی تنخواہ بہت کچھ چڑھنے کے سبب خزانہ رزیڈنسی سے ادا ہو رہی تھی

(۱) چونکہ یہ پہلا موازنہ ہے جو حسب منشاء مقصود خاص لکھا گیا ہے جس میں محاصل و مصارف ۱۳۱۲ف کا اندازہ جو کچھ ہو مرتب کیا جائے لہذا مناسب ہے کہ پہلے کچھ حالات جمع و خرچ عملہائے سابقہ اور انتظام حال کی افزائش محاصل و اعتدال جمع و خرچ بیان کیا جائے۔

(۲) اس کے قبل ایک عرصۂ دراز سے محاصل دیوانی گھٹتا چلا آرہا تھا اور اخراجات بڑھتے جا رہے تھے۔ عمل مہاراجہ چندو لعل متوفی کے قبل سے انتظام مال عموماً بذریعۂ تعہد و تعلقداری ہوتا تھا۔ رقم نذرانہ و پیشگی جو زیادہ دیتا انتظام تعلقات اس کے سپرد ہوتا تھا۔ اسی سبب سے اکثر تعہدداراور تعلقدار سختی اور روپیہ کھینچنے میں کمی نہیں کرتے تھے۔ رعایا سے زیادہ لینا اور سرکاری رقم کو گھٹانا ان کا شیوہ تھا اس لیے اکثر تعلقات کی رعایا روز بروز تباہ اور محاصل تعلقوں کا کم ہو رہا تھا۔ اخراجات عمل مہاراجہ موصوف روز افزوں تھے خصوصاً بالائی مصارف۔ ان مصارف کے وجوہ غالباً علاج پذیر نہ ہوں گے ورنہ مہاراجہ متوفی سے لائق و ہوشیار درصورت امکان ضرور اُن کا انسداد کرتے۔ اور جمعیت و منصب کے اخراجات آمدنی سے زیادہ تھے۔ عہد مہاراجہ متوفی کا جمع و خرچ کامل مرتب نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانہ کا جمع و خرچ دیکھنے کے لیے اب کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ فقط مداخل و مخارج ہیں جو کہ قابل اطمینان نہیں۔ ان میں رقوماتِ معمولی عہد مذکور کے سوائے جملہ جمع و خرچ نقدی کا کچھ پتہ نہیں ہے۔

کھیت کاٹنے کے قبل ہی بسبب احتیاج زر مالگزاری کا مطالبہ کرکے کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے ہاتھوں میں پھنسا کر سود میں زیر بار کرتے تھے۔ رعایائے دیہات سے بنیات ناجائز لیتے تھے۔ اہل حرفہ بھی بنیات دیتے تھے اور بیقالوں سے نیز عام طور پر بیوپاریوں سے محصول راہداری دہ بہ دہ وصول کرتے تھے۔ غرض ایسے ہی مضرت رساں طریقوں سے رعایا کی حالت تباہ ہوتی تھی۔ زمیندار سرکشی اختیار کرتے تھے رعایا کمزور پائمال ہوتی تھی۔ زراعت و حرفت گھٹ ہی تھی سرکاری اہل کار جن کے ہاتھ میں تعلقوں کے معاملے تھے نیز دیسکھ اور دیشپانڈیہ سوائے روپیہ لینے اور اپنا نفع کرنے کے دوسرے امر کا خیال ہی نہیں کرتے تھے اس لیے رقم مداخل علاقہ دیوانی سرکار گھٹ گئی تھی۔

(۶) اخراجات مقرری یا کاغذی یعنے مداخل و مخارج دفتر مال میں جس قدر لکھے جاتے اور دراصل وہ بھی فرضی تھے اور مخارج میں اگرچہ سالم تنخواہ وغیرہ خرچ میں لکھی جاتی تھی لیکن اس کی نصف بھی ادا نہ کرتے تھے۔ بموجب مندرجہ ذیل تین قسم کے تھے اور بسا مداخل و اخراجات ایسے تھے جو حسابات سرکاری یا کاغذی میں متعلق لکھے نہیں جاتے تھے۔

(۱) منہا مداخل سے:- اور اس میں زیادہ تر رقم سہ بندی وصادر اور رسوم وطنداری اور رقم یومیہ و سالانہ و دیہہ صادر وغیرہ اخراجات متعلق محال محسوب و مجرا ہوتے تھے۔

سوائے دوسرے قرضوں کے فقط تنخواہ کنٹجنٹ کا قرضہ اسّی لاکھ روپے کے اندازے میں ہو گیا تھا جس کی ادائی مشکل تھی کیونکہ سرکاری اعتبار اس قدر گھٹ گیا تھا کہ ساہوکاروں سے قرض بھی سوائے ضمانت جمعداروں کے ملتا نہ تھا اور سود دوچند سے زیادہ۔ جمعداران عرب وغیرہ سے جو قرض سرکار کو وصول ہوتا تھا تو بحساب فی لاکھ روپے دو دو چار چار سو نفر جوان کی تنخواہ بحساب فی نفر چودہ روپے ماہوار یا کچھ کم جمعیت بھرتی کرنے کے نام سے لیتے تھے خواہ بھرتی کی گئی ہو یا فقط کاغذی عمل ہو۔ بہرحال تنخواہ تو جاری ہو جاتی اور اس کے سوائے سود۔

(۵) سابق زمانے کی طرز انتظام مالگزاری کے اصول و فروع نسخ بخش تھے۔ تشخیص و تحصیل مالگزاری کا انتظام عام طور پر تعہّد اور ٹھیکہ کے ذریعے سے تھا اور اگر امانی رکھے جاتے تھے تو تعلقداری امانی کہلاتی تھی مگر اس میں بھی تعلقے کے معاملے تعہّد سے دیئے جاتے تھے۔ پس وہ تعہّد و امانی ہر دو طریقے جو بیان کیے گئے خرابیوں سے خالی نہ تھے۔ جبر و زیادہ ستانی رعایا سے بدقولی اکثر تعلقداروں کے نزدیک معمولی بات تھی۔ اور جمع کے اندازے کا کوئی دستور مقرر نہ تھا۔ ہر سال اضافہ کے ساتھ رقم جمع موضع واری یا پرگنہ واری سربستہ قرار دیکر اس کی تفریق ہر ایک کاشتکار پر کرتے تھے جو کسی اصول پر مبنی نہ تھی اور دستور بٹائی کا قابل اطمینان نہ تھا۔ تیاری مال کے وقت

نقد یا موقوفی کے لیے تعلقات مذکور کو واگزاشت کر لے اس کے تنخواہی محالات شریک مداخل ومخارج کیے جاتے تھے۔

(۳) اخراجات سوم عام طور پر مصارف ماہوارات وتقاریب علاوہ صرف خاص حضور پرنور اور تنخواہ جمعیت ومنصب کے متعلق تھے اور چونکہ رقم مداخل سے بعد نہائی اخراجات متعلق محال اور جو کچھ ادائی پیشگی وغیرہ میں دئے جاتے تھے زیادہ تھے اس وجہ سے عملہائے سابقہ میں اخراجات سرکاری و دیوانی کی کارروائی چھ قسم سے ہوتی تھی۔

(۱) ساہوکاروں سے اور جمعداروں سے قرض لیا جانا۔

(۲) بذریعہ رہن تعلقات وجواہرات وغیرہ۔

(۳) تعلقات پر پیشگی رقمیں لینا۔

(۴) نذرانہ وجرمانہ لینا اور ضبطی رسوم وغیرہ اور ضبط کرنا ان اموال کا جن کے وارث فوت ہوں یا ورانت سرکاری محاسبہ میں پھنسا ہوا ہو۔

(۵) تعلقات دیوانی کے اس محاصل سے جو زیادہ تر تنخواہی محالات میں اور فاضلات وپیشگیات کی ادائی میں پھنسا ہوا ہو اور باقی ماندہ حصہ بعد وضع ہونے چو نہائی کے جو سہ بندی وصادر میں اور رسوم وغیرہ میں خرچ ہوا ہے جو کچھ باقی رہ جائے۔

(۲) تنخواہ محالات:۔ زر نقد جو خزانے سے خرچ ہونا چاہئے تھا اس کے عوض تعلقات و دیہات محاصلی مساوی رقم سالانہ تنخواہ جمعیت و منصب و ساہوانِ قرض خواہ کے حوالے ہوتے تھے۔

(۳) مخارج نقد خزانہ اور محالات سے:۔ جن میں سرکاری علاقے کے اخراجات اور تحریر دیوانی و پیشکاری اور تنخواہِ جمعیت و منصب و شاگرد پیشہ کے اخراجات اور بعض جمعیت قلعہ جات کے اور کسی قدر یومیہ اور بعض متفرقات شامل تھے۔

(۷) (۱) قسم اول سہ بندی و صادر میں جو اخراجات لکھے ہیں وہ اخراجاتِ واقعی کے طور پر نہ تھے بلکہ اکثر فی روپیہ ۲ر کے حساب سے مقرر تھے اور در اصل ان میں کے نصف بھی خرچ واقعی میں نہ آتے تھے۔ بلکہ دوسرے اخراجات رسوم و یومیہ وغیرہ متعلق محال جو فی روپیہ ۲ر کے سوائے تھے وہ بھی مستحقوں کو برابر نہیں پہونچتے تھے لیکن تعلقدار و تعہد دار سرکار سے اخراجات مذکور لازمی طور پر ہمیشہ سبیل بندی کے رو سے پورے مجرا لیتے تھے۔ یہ بھی ایک بڑا سبب تھا نقصانِ سرکاری و محرومی مستحقین کا کہ جس خرچ کے نام سرکار سے رقم مجرا لی جاتی تھی اس میں خرچ نہیں ہوتی تھی۔

(۲) اخراجات قسم دوم یعنے تنخواہی محالات حقیقت میں جمع و خرچ کے حساب سے خارج تھے۔ لیکن چونکہ تعلقات و دیہاتِ خالصہ کی تنخواہیں جمعداران و منصبداران وغیرہ کے عوض مقرر ہوئی تھیں اور سرکار کو ہر وقت اختیار تھا کہ اجرائے تنخواہ

کیفیت مخارج علاقہ دیوانی سنہ ۱۲۶۳ ف

		مخارج	رقم
منہا از مداخل		سہ بندی وصادر و رسوم و یومیہ داران وغیرہ	[illegible]
	۱	ماہوار جیب خاص و متعلقان حضور و تعلقہ خانگی	[illegible]
	۲	تحریر دیوانی	[illegible]
	۳	جمعیت و سوار و پیدل	[illegible]
	۴	منصبداران	[illegible]
مخارج	۵	دیگر اسما	[illegible]
	۶	منصف و میر عدل وغیرہ	[illegible]
	۷	سواران علاقہ تعلقداران	[illegible]
	۸	احشام	[illegible]
	۹	شاگرد پیشہ	[illegible]
	۱۰	یومیہ و سالیانہ داران	[illegible]
		تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ	[illegible]
		جملہ	[illegible]

ازروی حساب مندرجہ بالا ظاہر ہے کہ [illegible] خرچ آمدنی سے زیادہ تھا۔

۶) اکثر ماہوارات جمعیت و منصب وغیرہ کو بر آیندہ رکھدیا جانا۔

۷ (الف) ۱۲۶۳ف میں جو اخیر عمل دوم سراج الملک مرحوم کا تھا مداخل و مخارج دیوانی حسب ذیل تھے۔

کیفیت مداخل تعلقات دیوانی

مداخل	رقم	
محالات تنخواہی صوبہ حیدرآباد و بیدر	لک معہ / لعہ صما للعہ	
محالات تنخواہی صوبہ برار و اورنگ آباد و بیجاپور	لک للعہ / للعہ الہہ سہ	لک للعہ / لعہ ہہ لہ سہ
محالات مفوضہ عمالان دیوانی صوبہ حیدرآباد و بیدر	لک سہ / لعہ سمالہ سہ	
محالات مفوضہ عمالان صوبہ برار و اورنگ آباد و بیجاپور	لک سہ / ہعہ الہہ للعہ	کرور لک معہ / مالے عہ
		کرور لک / لہ سہ / عہ

واضح ہو کہ یہ مداخل اس وقت کا ہے جو صوبہ برار وغیرہ قبضہ سرکار عالی میں تھا۔ سرکار انگریزی میں جانیکے بعد جو مداخل تھا اس کا اظہار آیندہ کیفیت جمع و خرچ عمل مدار المہامی مغفور اول مندرجہ موازنہ مذکور میں ہوگا۔

چار روپے کو کبھی تین روپے کو پلہ ۔ گھی روپے کو تین سیر کبھی اس سے زیادہ بینی تکر روپے کو چھ سیر۔ علی ہذالقیاس مونگ مسور وغیرہ ہر چیز ارزاں تھی ۔ ورنہ خدا جانے کیونکر بسر ہوتی ۔ ویسی حالت اس زمانے کے جاگیرداروں کی بھی تھی ۔ جاگیر دار برائے نام تھے ۔ جاگیر زمینداروں کے قبضہ میں عربوں کے ہاتھ میں یا ساہوکار وغیرہ کے پاس رہن ۔ سال ہا سال گزر گئے حساب نہ کتاب ادائی کا نام نہیں ۔ جاگیر سے کام نہیں بطور خیرات بہزار منت جاگیردار کو کھانے کے لیے کچھ دے دیتے تھے ۔

نیز اس زمانے میں ایک دستور ناجائز تھا کہ کسی مرشد زادے وغیرہ دولتمند کا انتقال ہوا تو فی الفور اس کے مال و متاع پر سرکاری ضبطی جاتی تھی اگرچہ متوفی کے حقدار ہوں ۔

معاذ اللہ کس قدر بدنما اور خلاف شرع و خلاف قانون طریقہ تھا جو باعث تباہی خاندان و موجب حق تلفی و دل آزاری حقداران ہوتا تھا ۔ ایک تو گھر کے وارث کا اٹھ جانا اس پر یہ تباہی ورثہ ۔ چنانچہ تاریخ خورشید جاہی میں مرقوم ہے کہ ماہ صفر ۱۲۶۹ھ میں چھتا صاحب نواب کلیانی کا انتقال ہوا تو حسب الحکم سرکار عالی محمد وزیر کوتوال معزول نے جا کر تمام مال و متاع ضبط کرلایا ۔ جملہ نقد انتیس ۲۹ ہزار روپے اور چھ ۶ سو اشرفیاں داخل خزانہ ہوئیں ۔

نیز قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ بغیر حصول اجازت کوئی شخص دومنزلہ

گزارش مولف ۔کیفیت مداخل ومخارج مذکورہ سے ظاہر ہے کہ ویسی حالت میں جمعیت اور منصبداروں کی تنخواہ ماہ بماہ کیونکر جاری رہ سکتی تھی ۔اس زمانے کے بعض بزرگ جو ہنوز موجود ہیں بیان کرتے ہیں کہ بہزار سعی ودر بارداری بزرگان والہ بہا درچند منصبداروں کی تنخواہ کے لیے بنام تعلقدار ضلع کئی سال میں ایک مرتبہ احکام جاری ہوتے تھے تو چار وناچار بہزار مصیبت تعلقدار کے پاس جاکر ہنڈوی لاتے تھے ۔بخوف بدامنی راہ رقم نہیں لاسکتے تھے ۔بعد وصنع ہنڈاون رقم تنخواہ وصول کرکے حوالہ بقال محلہ کرتے تھے کیونکہ اس سے قرض لے کر اب تک بسر کرتے رہے اور آیندہ بھی اس سے لینا ہے ۔خدا جانے تنخواہ پھر کب میسر ہو ۔

اس زمانے کے منصبداروں کی حالت پر افسوس ہوتا ہے کہ تعلقداروں کے پاس جانے آنے کے مصارف ومصائب سفر ۔اور محلہ کے بقال کا قرضہ اوس غلہ وغیرہ کی قیمت کا جو بسبب اودہار کے گراں وناقص دیا ہے ۔اور سود اس قرضہ کا جو بالائی مصارف کے واسطے ماہانہ دس پانچ روپیہ نقد دیتا تھا تو وہ بھی یکمشت نہیں دیتا تھا بلکہ بدفعات ۔بدفعات بھی روپے نہیں بلکہ خوردہ دیتا تھا وہ اس لیے کہ بازار کے نرخ سے فی روپیہ پیسہ دو پیسے کم دینے کا موقع ملے ۔اس خوردہ میں بھی دو چار آنے کی کوڑیاں ۔ہر حال بیچارے منصبدار بسبب نایابی تنخواہ ہمیشہ بقال اور ساہوکاروں کے محتاج ودست نگر رہتے تھے ۔اس زمانے کو مخلوق کے لئے ارزانی غلہ واجناس نہایت جان بخش تھی چنانچہ باریک چاول ستیرہ گاہے چودہ روپے کو پلہ ملتے تھے ۔موٹے چاول آٹھ یا نو روپے کو گیہوں دس روپے کو پلہ جوار

اگر کہیں روپیہ چھپا رکھا ہے تو بتلا دے۔

از روے تاریخ رشید الدین خانی راجہ رام بخش پیشکاری پر معمور اور جملہ امور ریاست ان سے متعلق ہوئے۔ دراصل گو یا دیوان تھے۔ بمجرد سرفرازی باوجود زیادتی مخارج و کمی مداخل ریاست دروازہ جود و سخا کا کھول دیا۔ بڑی بڑی ماہوار کے لوگ نوکر رکھے۔ کم مواجبوں کو بے سبب اضافے کیے۔ آسامیاں میانے اور ہاتھیوں کی دیں۔ جاگیریں عطا ہوئیں چنانچہ دفتر سے ثابت ہوا کہ چھ ہزار آدمی اٹھارہ لاکھ روپے سال کے جدید نوکر رکھے۔ عربوں سے بہت سا روپیہ قرض لے کر تعلقات ان کے قبضے میں دے دیے۔ عمال پیشوں سے عوض دو سالہ پیشگی لے کر اپنے تصرف میں لائے۔ سوائے اس کے جوانی جاگیرداروں سے بھی تحصیل کی عام خلقت بلدہ کی پریشاں روزگار۔ شرفا تکلیف زدہ صدا الجوع کی ہر طرف سے بلند۔ جب دارالسلطنت کا یہ حال تھا تو تعلقات کا کیا حال ہوگا۔ اکثر دنگا فساد خونریزیاں تھیں۔ میر علی جمعدار کے مکان پر ستر آدمی مارے گئے علیٰ ہذا القیاس ہنگامے برپا تھے تا آنکہ پیشکاری سے موقوف ہوگئے۔ بعد ازاں گنیش راؤ بھی چند ساعت کے لیے دیوان ہوکر موقوف ہوگئے۔

جب ان اضلاع کا حساب شایع ہوا جو ۱۸۵۳ء م ۱۲۷۰ھ میں سرکار کمپنی کو سپرد کر دیے گئے تھے تو ثابت ہوا کہ ان اضلاع کے تعلقدار سرکاری مالگزاری کا بہت کم حصہ سرکار نظام میں داخل کرتے تھے۔ عموماً ایک ربع آمدنی سے لے کر

یا پختہ مکان تعمیر کرنے کا مجاز نہ تھا۔ اور حصول اجازت دشوار۔ بعد زمانہ میر عالم
مرحوم جو کچھ حالت رہی اب تک مشہور و بین فدا مذکور رہے کہ جو تعلقدار منجانب
سرکار معمور ہو کر جاتا تھا بسبب عدم اطمینان بقائے خدمت شب و روز فکر تحصیل
و اخذ زر میں رہتا تھا کہ مبادا دوسرا تعلقدار میری جائے پر معمور ہو کر آ جائے۔
بعض تعلقدار دیڑا آنی اور دو آنی پر تعلقداری کرتے تھے یعنے ماہوار تعلقداری کے
عوض فی روپیہ دیڑ آنہ یا دو آنے لیتے تھے جس میں مصارف عملہ وصادر وغیرہ شریک
تھے مگر یہ دو آنے برائے نام تھے در اصل روپے میں آٹھ آنے کے مالک تھے۔ نیز
بسا تعلقات ٹھیکہ سے دیے جاتے تھے یعنی ٹھیکہ سے۔ ناپیان، سررشتہ داران،
دیسکھہ، دیشپانڈیہ، پٹیل پٹواری وغیرہ کے ہاتھوں میں رعایا پھنسی ہوئی تھی۔
تعلقدار یا ٹھیکہ دار سے لے کر پٹواری تک ہر ایک کو تحصیل زر کی فکر رہتی تھی
اقسام کی پٹیاں ناجایز لیجاتی تھیں یعنے امرائی پٹی۔ بن چرائی۔ شہر سدہارنی۔
سائردہ بدیہی۔ محصول در آمد غلہ۔ مخزفہ۔ پٹیات خفیف یعنے پٹی دہنگران
پٹی دہیڑان۔ شادی پٹی۔ چرسہ پٹی۔ لون پٹی۔ ہاٹ بازاری۔ کلال پٹی۔ جولائی
پٹی۔ دہارا پٹی۔ راہداری۔ غنیم یاب۔ بورال پٹی۔ لوٹ سبزی۔ بانس فروشی
مذکور پٹی۔ رسوم ریدی وغیرہ۔ ہنگام اچھا ہو یا خراب ہو اپنی تحصیل سے غرض
رکھتے تھے۔ جو رعیت زر نقد یا ضمانت ساہوکار کی نہ دیتا تو اس کے گھر کا سامان
اور مویشی جملہ ضبط کر لیتے۔ اور اس کے سر پر پتھر دے کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے

جس کی برسوں کسی نے خبر بھی نہ لی۔

واضح ہو کہ زمانہ سابق میں خود ریاست و امرائے ریاست و جاگیردار جملہ قرضہ میں مبتلا تھے۔ اس زمانے میں ساہوکار اتنے اور ایسے جیسے کہ اب ہیں مالدار در اصل تھے بھی نہیں۔ جو کچھ تھے سو ان کا فقط سرکار عالی پر دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ برآیندہ تھا لہذا وہ عدم اطمینان ادائی کی وجہ سے بہت کم کسی کو قرض دیتے تھے اس لئے اکثر امرا و جاگیردار وغیرہ عربوں کے اور رہدوی پٹھانوں کے قرضہ میں پھنس رہے تھے۔ اور خود سرکار عالی کو بھی ادائی تنخواہ کنٹجنٹ وغیرہ کی ضرورت ہوتی تھی تو عربوں سے اور پٹھانوں سے بہت کچھ سود پر قرض لیا جاتا تھا اور لاکھوں روپے کے تعلقے بطور رہن دیدیے جاتے تھے چنانچہ از روے مرقعہ عبرت یہ پایا گیا کہ ۱۸۵۰ء مطابق ۱۲۶۶ھ میں ایک کرور سے زیادہ آمدنی پر عربوں اور پٹھانوں کا قبضہ تھا۔ الغرض ریاست اس قدر زیر بار و قرضدار تھی کہ اس کی ادائی کے لیے مجبوراً غفران منزل نے شاہی جواہر رہن فرمایا تھا۔ بالآخر وہ جواہر بغرض فروخت باستصواب مسٹر ڈائیٹین انگلستان روانہ کیا گیا تھا جس کی واپسی کا ذکر باب دوم میں آئے گا۔

ارشاد مبارک شاہ اولیا علیہ التحیۃ والثنا ۔ اَلْھَمّ ھُمُ الَّدَّیْنِ (فکر اگر ہے تو قرض کی ہے فکر) نہایت درست ہے۔ انسان کیسا ہی غیور و عالی مرتبہ ہو عدم امکان ادائی کی حالت میں اپنے قرضخواہ سے عاجز ہو جاتا ہے۔ مقام غور ہے کہ سرکار نظام کو

نصف آمدنی تک خود دکھا جاتے تھے۔ مثلاً ضلع میکپور ملک برار کی آمدنی تعلقدار کے حساب میں ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے مندرج تھے حالانکہ اصلی آمدنی ایک لاکھ نو ہزار تھی۔ اسی طرح بہت سے اراضی ملک برار میں قابل تردد ایسے تھے جو نقشہ جات میں غیر مزروعہ دکھائے جاتے تھے یا اس کا مطلق ذکر ہی نہ ہوتا تھا۔

جب ملک برار گورنمنٹ کمپنی کو دیا گیا تو اس کے شمالی حصہ میں مزروعہ زمین کی مقدار چار لاکھ پچیس ہزار بیگہ ظاہر کیجاتی تھی حالانکہ پیمائش میں سترہ لاکھ بیگہ سے زیادہ معلوم ہوئی۔ چنانچہ بعلاقہ ملک برار ۱۸۵۳ئہ میں کرنیل ہڈویلر ضلع نلدرگ کے افسر مقرر کیے گئے تھے تو انھوں نے اس بارے میں حسب ذیل تحریر کیا ہے۔

گورنمنٹ نظام کے تعلقداروں کو بے انتہا فائدہ تھا۔ یہ لوگ بڑا حصہ مالگزاری کا مقامی سکہ کے حساب سے وصول کرتے تھے جو بحساب بازار کمپنی روپے سے کچھ کم تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ ہنڈاون کا فائدہ وہ سرکار کو دیں حیدرآباد میں بذریعہ ہنڈوی کے بھیجتے تھے جو وہاں شہر کے کم قیمت روپے سے بدل جاتی تھی۔

اب غور کرنا چاہیے کہ جب حیدرآباد کے ایک صوبے میں یہ اندھیر تھا تو اور اضلاع میں کیا اندھا دھند ہوگی۔ نلدرک کا ضلع جب سرکار انگریزی کو سپرد کیا گیا تو پہلے ہی سال اس کی آمدنی ایک لاکھ تینتیس ہزار روپے زیادہ ہوگئی۔ ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں اس وقت کیسی لوٹ مچی ہوئی تھی۔

ایسا بولے کہ اگر اس وعدے پر تم روپے نہ پہونچاؤ گے تو تمھارا منہ کالا ہوگا۔

حضور بولے نہیں جی ضرور پہونچائیں گے۔ الخ۔

مقام غور ہے کہ غفران منزل سا الوالعزم بادشاہ اور سراج الملک بہادر سا وزیر غیور طبع کو بسبب بے سر انجامی ریاست و مقتضائے وقت صدمات دلی کس قدر برداشت کرنی پڑی تھی۔

یہی ایک حالت سابقہ ریاست نظر میں رکھیں تو مختار الملک مغفور اول کا حسنِ انتظام وکمال خیر خواہی سلطنت ناظرین با انصاف پر منکشف ہونے کو کافی ہے۔

الحاصل اس زمانے میں عرب خصوصاً چند بڑے جمعدار عربوں کے عبداللہ بن علی مدبر جنگ سیف الدولہ عمر بن عوض جانباز جنگ شمشیر الدولہ وغیرہ جمعدار بھی تھے تعلقدار بھی تھے۔ ساہوکار بھی تھے۔

جمعداری کا یہ حال کہ ہر جمعدار کے آوردہ میں کئی ہزار نفر عرب ملازم سرکار لیکن کبھی کسی نے ذخل ان کا دیکھا نہ وہ کسی کو داخلہ بتلاتے تھے۔ ملازم عربوں کی تنخواہ کے لیے خزانہ عامرہ اور اس میں رقم کہاں تھی جو ماہوار تقسیم ہوتی۔ اس لئے کئی لاکھ روپے محاصل کے تعلقات سرکاری کو جمعداروں نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ سالہا سال حساب نہ کتاب علاوہ برآں بذریعہ مقربان بارگاہ خسروی نذرانہ داخل کرکے بحیثیت تعلقداری لاکھوں روپے محاصل کے تعلقے حاصل کرلئے تھے۔ مقام غور ہے کہ حضرات عرب نے کیسی تعلقداری ہوگی۔ خاص پائے تخت یعنی بلدہ میں

باوجود کمال اتحاد وارتباط سرکار انگلشیہ سے بسبب قرضہ متعلق ماہوار کنٹجنٹ کس قدر کاوشیں اٹھانی پڑی ہیں اور تقاضائے ادائیگی کیسے کیسے الفاظ نا ملایم وخلاف شان کے متحمل ہونا پڑا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ رشیدالدین خانی کا تیسرا دفتر حکام متعلقہ کے بیان میں متعلق واقعہ دربارہ طالبہ رقم سرکار انگریزی جس کی اصل عبارت یہ ہے۔ کہ جب خود بدولت نے فرمائے کہ جس وقت ہم بذات خود متوجہ اس کام کے تھے اس وقت تمھاری ماہوار ماہ بماہ پہونچتی رہی ہے۔ ڈیوڈلسن صاحب نے عرض کی کہ اس وقت بھی باقی رہ گئی تمام نہیں پہنچی۔ ہاں مگر شمس الامرا بہادر امیرکبیر کی عملداری میں برابر پہنچی ہے۔ بلکہ فاضل پہنچی ہے پھر خود فرمائے کہ ہمارے وقت کے رسیدات تمہارے حاضر ہیں۔ اور حکم ہوا کہ سیف جنگ کو بلاؤ۔ معزالیہ حاضر ہوئے اور عرض کی درست ہے۔ اس وقت بھی ان کی ماہوار رہ گئی ہے۔ اس میں سراج الملک بہادر درمیان آئے اور ایسا بولے کہ غلام اپنے عمل میں بھی کچھ باقی نہیں رکھا ماہ بماہ پہونچتا رہا ہے۔ کرنل جان لو صاحب نے کہا کہ جھوٹ کہتے ہو بہت سی باقی رہی ہے۔"

نیز اسی تیسرے دفتر میں ایک اور دربار کی کیفیت جو بیان کی ہے اس کی اصلی عبارت یہ ہے کہ "سراج الملک بہادر نے ایک چٹھی جیب سے نکال کر دکھلائی اور ایسا کہا کہ یہ تجویز ہوئی ہے۔ کرنل جان لو صاحب نے کہا مجھے اعتبار نہیں تب سراج الملک بہادر نے حضور سے عرض کیا کہ دو تین روز میں دس لاکھ روپے تو پا بجا ہو جاتے ہیں۔ جب کرنل جان لو نے سراج الملک بہادر کی طرف دیکھ کر

اہتمام کیا اور بوقت شب بالباس معمولی و دستار وغیرہ پنس میں میت کو سوار کرکے جوانان وخادمان ہمراہی پنس کو گھیرے ہوئے ڈیوڑھی میں لائے اور اسی شب کو بہ کمال عجلت واخفا امور تجہیز وتکفین وتدفین طے کردیے گئے۔ بعد ازاں دوسرے روز عام طور پر سب کو معلوم ہوا کہ سراج الملک بہادر کا انتقال ہوا اور دفن بھی ہوگئے۔ کوئی امیرزادہ بلا کفالت جاگیر وجائداد اُن کے قرضہ میں پھنستا تھا اور وعدہ ادائی وفا نہ ہوتا تھا تو اس کو گرفتار کرکے اپنے قید میں رکھتے تھے اور کھانے کو نان خشک دیتے تھے بلکہ بعضوں کو فاقے۔ اور توڑوں کے چرکے دیتے تھے تاکہ کوئی جایداد ہو تو نیلام دے یا اس کے ورثہ ادائی کی سبیل کرکے مدیون کو چھڑالیں۔ اور مدیون کے گھر پر عربوں کا پہرا بیٹھ جاتا تھا۔ کسی کو اندر سے باہر نکلنے دیتے تھے نہ باہر اندر جانے دیتے تھے۔

چنانچہ مولّف نے اپنے والد مرحوم سے چشم دید واقعہ سنا ہے کہ بزمانہ مدارالمہامی سراج الملک مرحوم۔ میر موسیٰ رضا خاں ابن سید عاقل خاں مرحوم نبیرہ بہرام الدولہ مرحوم کو عرب لوگ اپنے قرضہ کے لئے پکڑکر سرورنگر سے پیادہ پا بلدہ میں لائے اور قید کیا۔ سید زین العابدین سطوت جنگ مرحوم جدّ نواب بہرام الدولہ بہادر حال کو جب یہ خبر ملی تو بوجہ برادری متاسف ہوئے اور سراج الملک بہادر سے عرض کرکے امیرزادۂ موصوف کی رہائی کرائی۔ الحاصل عربوں کا زور وشور زمانۂ سابق میں جو کچھ تھا اب تک مشہور ہے۔

جن کا جقیبہ ذری ذری بات پر نکل پڑتا تھا تو تعلقات و دیہات کی بیچاری رعایا پر کیا گزری ہوگی۔ ساہوکاری کی یہ صورت کہ جس جاگیردار نے ان سے تھوڑا بھی قرض لیا تو عمر بھر اس قرضہ سے نجات دشوار ہوتی تھی۔ علاوہ خاطرخواہ سود وغیرہ کے دس یا پندرہ یا بیس عرب حسب حیثیت قرضہ اس جاگیردار مدیون کی ڈیوڑھی پر برائے نام متقرر ہوجاتے تھے کہ یہ نوکر آپ کے ہیں۔ اور دراصل حسب تعداد عروب بندوقیں کھوٹیوں سے لگا دی جاتیں۔ اگر کوئی کہتا کہ عرب تو دو ہی حاضر رہتے ہیں اور نام تو دس یا پندرہ عربوں کا ہے تو جواب ملتا تھا کہ بروقت ضرورت دیکھ لینا سب حاضر ہوجائیں گے۔ بیکار کیوں حاضر رہیں۔

اس تقرر سے عربوں کا مقصد یہ تھا کہ فی اسم دس بارہ روپے ماہوار کے حساب سے جملہ عربوں کی ماہوار بھی مدیون کے ذمے لگائی جاکر شریک قرضہ مدیون ہوتی جاتی تھی۔ ہر گاہ کوئی امیر وغیرہ فوت ہوجاتا تھا اس کے قرض خواہ عرب یا پٹھان دروازہ پر مدیون کے بیٹھ جاتے تھے اور جب تک ضمانت معتبر وغیرہ سے ادائی قرضے کا خاطرخواہ تصفیہ نہ ہوتا تھا میت کو مدیون کی اٹھانے نہ دیتے تھے۔

چنانچہ سراج الملک بہادر علیل ہوکر بغرض تبدیل آب وہوا اپنی جی کی کوٹھی میں جو فی الحال محسن الملک کی کوٹھی کہلاتی ہے متقیم تھے۔ اور وہیں بحالت خدمت وزارت انتقال ان کا ہوگیا تو بخوف عروب وافغانان وغیرہ طلب گاران تنخواہ برآیندہ۔ خبر انتقال کو مخفی رکھنے میں اہلکاروں نے نہایت

ایک روز عرب مذکور تعلقدار کو جبراً ساہو مذکور کے پاس لایا کہ قرض کی ادائی اس ساہوکار سے کرادو۔ ساہوکار مذکور نے اس معاملے سے کنارہ مناسب جانا اور جاگیرات مذکور عمر بن عوض جمعدار کے پاس رہن کردے کرا پنا روپیہ وصول کرلیا۔ لہذا صالح عرب مذکور ساہوکار کا مدعی ہو کر تا بو میں تھا تا آنکہ ایک روز اثناء راہ میں ساہوکار مذکور کو پکڑنا چاہا اس کے ساتھ راٹھور تھے۔ تلوار چلی کچھ عرب زخمی ہوئے دو راٹھور مارے گئے۔ مگر ساہوکار مذکور بچ کر نکل گیا۔ اس کو کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ساہوکار مذکور کے متعلقین اپنے ہمقوم کی شادی میں سکندرآباد گئے تھے۔ وہاں سے واپسی کے وقت احتیاطاً وہاں کے کمشنر سے ایک چپراسی ہمراہ لیے ہوئے آرہے تھے۔ عرب مذکور نے خبر رکھ کر توپ کے سانچہ کے پاس کی سڑک پر انھیں گھیر لیا۔ پھر لڑائی ہوئی دو راٹھور مارے گئے اور متعلقان ساہوئے مذکور کو پکڑ لیا گیا۔

چونکہ کمشنر سکندرآباد کا چپراسی ہمراہ تھا اس کا لحاظ عربوں نے مطلق نہ کیا۔ لہذا رزیڈنٹ بہادر کے پاس سے تقاضا ان آسامیوں کا جن کو عرب پکڑلے گئے تھے ہونے لگا۔ سراج الملک بہادر نے عرب مذکور کو طلب فرماکر ہرچند فہمائش کی مگر مطلق اثر نہ ہوا۔ آخر کار بمقتضائے وقت ادائی قرضہ عرب کا ذمہ لے کر آسامیوں کی رہائی کی۔

سنہ ۱۲۶۰ھ میں سراج الملک بہادر ممدوح کے بھائی اکرام الدولہ بہادر

بعض مُسن لوگ بیان کرتے ہیں اور مشہور نقل ہے کہ ایک عرب صاحب نے راہ میں کسی شریف سفید پوشش سے ملاقی ہو کر ایک دست آویز پیش کی کہ اس میں کیا لکھا ہے ذرا پڑھ دو۔ اس بیچارے نے پڑھ کر کہا کہ یہ چار سو روپے کا تمسک ہے۔ یہ سنتے ہی عرب صاحب بگڑے کہ پانسو کے تمسک کو چار سو روپے کا کہتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ تم کسی اور سے پڑھوالو اس میں تو چار سو روپے لکھے ہیں۔ یہ سن کر بکمال غیظ و غضب تمسک مذکور کو چاک کر کے پھینک دیا اور اس شریف آدمی کے گلے میں رومال ڈال دیا کہ اچھا چار ہی سو روپے اس وقت دے دو ہر چند وہ بیچارہ نالاں ہے کہ عرب صاحب میں کیا جانوں تم سے کب میں نے روپے لیے مگر مانتا ہی کون تھا لے چلا کھینچتا ہوا۔

رشید الدین خانی میں مرقوم ہے کہ ۱۰ محرم ۱۲۵۲ھ میں رہیلوں اور عربوں کا ایک جا مکان پرحسین یاور جنگ کے دنگا تھا۔ کسی بات پر تکرار ہو کر باہم ہتیار چلے۔ یہ خبر جو منتشر ہوئی۔ جہاں جہاں عرب اور روہیلے ایک جائے تھے باملاقی ہوئے باہم خونریزی کرنے لگے۔ ہر کوچہ و بازار میں لاشیں مقتولوں کی پڑی تھیں۔ صلح کے بعد عربوں نے نذرانہ معقول سرکار میں داخل کر کے رہیلوں کو اخراج کرایا۔

غلام قوی خاں تعلقدار ساکن بلدہ و ایک عرب مسمی صالح بن اعربی کے قرضدار تھے تعلقدار مذکور کی جاگیر میں فتح چند ساہو ساکن رزیڈنسی کے پاس گرو تھیں

بہت کچھ ہائے وائے کیا کوتوالی میں دوڑے فریاد فریاد کہا کچھ بھی نہ ہوا۔

تاریخ رشید الدینخانی میں مرقوم ہے کہ ماہ ذیحجہ ۱۲۶۱ھ میں تمام پٹھان اور عرب جمعدار وغیرہ در دولت شاہی پر بھی دنگا بیٹھے تھے۔

عربوں کے زور و شور کی وجہ اس عہد میں یہ تھی کہ ان کے جمعدار جیسے کہ دولتمند و صاحب جمعیت اس ریاست میں ہو گئے تھے ویسا کوئی دوسرا نہ تھا۔ ازروے تصرف ملک و افراط مال گویا رکن سلطنت تھے۔ علاوہ برآں بڑی وجہ یہ تھی کہ ان میں باہم کمال اتفاق تھا۔ اگر کوئی غیر عرب کسی عرب کو ضرر خفیف بھی پہونچاتا تھا تو اس کے انتقام کو جملہ عرب مستعد ہو جاتے تھے۔ یہ اتفاق یہاں کے کسی فرقے میں نہ تھا نہ پولیس ایسی تھی کہ جس کا خوف عربوں کو ہوتا۔ حالانکہ یہ لوگ اس ریاست میں کوئی ایسی قدامت بھی نہ رکھتے تھے۔ پہلے یہ فرقہ ناگپور اور پونا کی ریاست میں ملازم تھا۔ وہاں سے علحدہ ہو کر جمعدار عمر بن عوض جانباز جنگ شمشیر الدولہ مع ہمراہی اس ریاست ابد مدت میں بعہد نواب سکندر جاہ بہادر آئے اور ملازم ہوئے۔ سنا گیا ہے کہ وہاں سے بابت تنخواہ وغیرہ بہت کچھ نقد و جنس پیدا کر لائے تھے۔ یہاں آنے کے بعد رفتہ رفتہ ان کے زر و زور نے اور بھی ترقی کی تا آنکہ عہد مدار المہامی مہاراجہ متوفی میں ان کی ترقی درجۂ کمال کو پہنچ گئی۔ صاحب خطاب و امیر معظم ہو گئے۔ نواب صاحب مغفور دلوان ہونے کے بعد بھی ایک عرصہ تک اس فرقہ کا زور و شور رہا ہے کیونکہ انتظام ان لوگوں کا

نے بھی جن کا مکان ایرانی گلی میں تھا محفوظ بن طیران عرب سے قرض لیا تھا۔ اس کے تقاضے میں بالمشافہ سخت گفتگو ہوئی تا آنکہ عربوں نے بہادر موصوف کو مع فرزند جوان مار ڈالا۔

اگر کسی سے کسی امر میں گفتگو ہوتی اور عرب صاحب کے سخت الفاظ کا کوئی برابر جواب دیتا تو فی الفور جنبیہ سے مارا جاتا۔ کوئی عرب کسی کو زخمی یا قتل کر کے کسی جمعدار کے قہوہ خانے میں یعنے عربوں کی نشست میں چلا جاتا تھا تو کسی کی مجال اس کو گرفتار کرنے کی نہ تھی۔

اس واقعہ سے بھی بعض مسن لوگ ہنوز واقف ہیں اور رشید الدین خانی میں بھی مرقوم ہے کہ ایک شریف منصبدار شاعر شہید تخلص ایک جمعدار عرب کے ہمسایہ میں رہتے تھے ان کی ایک لڑکی جو ہنوز نابالغہ تھی اس کی خواستگاری برادر زادہ و داماد جمعدار ناصر نام رستم جنگ نے کی۔ منصبدار مذکور نے انکار کیا۔ اس کو چند روز گزرے تھے کہ ایک روز بعد مغرب فقیر دروازے پر آکر سوال کیا۔ اس وقت خادمہ یا از قسم ذکور گھر میں نہ تھا۔ حسب الحکم مادر وہی دختر روٹی دینے کو دروازے کے پاس گئی اور غائب ہوگئی۔ جب عرصہ ہوا تو ماں پکارتی ہوئی دوڑی دیکھا دختر نہیں۔ ہر چند چلائی تلاش کی گئی اصلا پتہ نہ ملا تا آنکہ دوسرے روز علی الصباح منصبدار مذکور نے اپنے گھر کا دروازہ جو کھولا تو دیکھا کہ ایک گٹھڑی پڑی ہوئی ہے اس کو کھول کر دیکھا تو اپنی دختر گمشدہ کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی پائی۔

واجب القتل پر فیر کردی جاتیں۔ دس میں اقلاً چار پانچ گولیاں تو ضرور کارگر ہوجاتیں کیونکہ بندوقیں چلانے والے جملہ مدعی خون یعنے مقتول کے قرابتدار ہوتے تھے پھر کیوں قاتل کی رعایت کرتے۔ الغرض اس قسم کی خودسریاں او بے باکیاں اس فرقہ کی بہت کچھ تھیں اور بسا واقعات ان کی تعدی اور خونریزیوں کے ہوئے ہیں مگر یہاں منظور اختصار ہے۔

اب حال دوسرے فرقہ کا جو درجہ دوم میں ایسے ہی پرزوروشور تھے بیان کرنا مقصود ہے یعنی فرقہ افغانان مہدویہ۔ اب تک یہاں کے خاص وعام میں یہ بات مشہور ہے کہ عرب جس طرح اپنے مدیون کو قید کرکے توڑوں کے چرکے دیتے تھے یہ فرقۂ دوم بھی اپنے مدیون کو مقید کرکے مرغوں کے جھانپ میں بند کرتے تھے اور مانند مرغوں کے بانگ دو کہتے تھے۔ اگر نہ دیتا تو اس کو اذیت دیتے تھے۔ کتاب ہدیہ مہدویہ تالیف مولوی محمد زماں خاں مرحوم سے معلوم ہوا کہ بزمانۂ پیشکاری مہاراجہ چندولعل متوفی اس فرقہ کی ابتدأ یہاں ترقی ہوئی خاص اس فرقہ کے حالات میں لالہ برجناتھ المتخلص بہ خیال نے ایک مختصر کتاب بطور وقایع بزبان فارسی تالیف کی ہے اور وہ ۱۲۳۰ھ میں طبع بھی ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ اُردو میں بطور خلاصہ مؤلف نے کیا ہے اور کتاب مذکور میں اس فرقہ کی نسبت جو سخت کلمات استعمال کیے گئے ہیں ان سے غرض نہ رکھ کر فقط واقعات کو لے لیا ہے لالہ برجناتھ کا بیان ہے کہ یہ مہدوی پٹھان بتدریج جمع ہوکر بیرون دروازۂ

جلد ہونا محالات سے تھا۔ موٴلف نے دیکھا ہے کہ ایک عرب دوکان پر بنئے کی سودا خرید کرنے کو آیا اور حسب خواہش اس کے بنئے نے چرونجی خشخاش وغیرہ لاکر روبرو رکھا۔ نرخ طے ہونے اور وزن کرنے تک میں عرب صاحب نے کئی پھکّے چرونجی کے مارے بیچارے بنئے نے صبر نہ کر کے کچھ کہا تو اوس کے جواب میں گالی سُنی اور دم بخود ہو کے رہ گیا۔

جب مغفور نے بتدریج انتظام کیا اور ان کا زور توڑا تو موٴلف کو یہ بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ ایک بنیے کو عرب نے سودے میں تکرار کر کے گالی دی تو بنیا بھی جواب دے کر کھڑا ہو گیا۔ عرب صاحب جنبیے پر ہاتھ رکھ کر رہ گئے زیادہ براں جرات نہ کر سکے۔

اگر کوئی عرب کسی عرب کو قتل کرتا تو اس کا قصاص خود عرب آپ کرتے تھے۔ سرکاری قصاص نہیں ہونے دیتے تھے۔ عربوں کے قصاص کا یہ طریقہ تھا کہ شخص واجب القتل کی مشکیں کس کر ایک درخت سے باندھ دیتے تھے۔ پشت اس کی درخت کی جانب ہوتی تھی۔ دس نفر عرب منجملہ عزیزان مقتول روبرو واجب القتل کے تھوڑے فاصلے پر استادہ ہو کر اپنی اپنی بندوقوں میں گولی کا بار بھرتے اور توڑے سلگا کر رو بجانب واجب القتل مستعد ہو جاتے۔ تب چاوش ان کا مرفعہ چی کو یعنی ٹکی بجانے والے کو حکم دیتا۔ ٹکی پر ایک چوب پڑتی پھر دوسری چوب پھر تیسری چوب کے ساتھ ہی دس بندوقیں ایک دم

اس کے پاؤں سے کیچڑ کا ذراسا چھینٹا دامن پر محمد صاحب کے آیا۔ ساتھ ہی بایماے محمد صاحب بلّم بردار نے بلّم کی نوک سے دستار کو مولوی زادہ موصوف کی زمین پر گرادیا۔ وہ بیچارہ بکمال غیرت خشمناک ہوکر اپنی تلوار خدمت گار سے لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا کہ ایک نے ان میں سے تلوار مارہی دی۔ جس سے چار انگلیاں مولوی زادۂ مذکور کی قلم ہوگئیں۔ پھر تو جملہ ہمراہی ان کے ٹوٹ پڑے کسی نے تلوار ماری کسی نے بھالا مارا کسی نے کٹار سے کام لیا۔ الحاصل اس مولوی زادے کے ٹکڑے اڑادیئے اور چلے گئے۔ اسی طرح ظلم و تعدی علانیہ کرتے تھے اور سرکار سے کوئی انتظام و انتقام ظہور میں نہیں آتا تھا۔ اس نارسائی کی وجہ سے ان پٹھانوں کی تعدی و بیبا کی ترقی کرنے لگی تاآنکہ بتاریخ سلخ ذیحجہ ۱۲۳۷ھ روز چہارشنبہ یلسین خاں نامی چھوٹا بھائی زبردست خاں ولد دلدار خاں کا جس نے کہ جمعداروں میں اس ریاست کے خصوصیت حاصل کی تھی بکمال تعصب مسجد واقع جلوخانہ نواب نیر الملک بہادر میں جو کہ فی الحال میر عالم کی منڈی کہلاتی ہے آکر رئیس العلما مولوی عبدالکریم صاحب سے جو بالائے منبر مشغول واعظ تھے مباحثہ شروع کیا اور مذہبی گفتگو گستاخانہ الفاظ کے ساتھ کرنے لگا۔ مولوی صاحب نے ہر چند منع کیا کہ یہ کیا بیہودہ کلامی ہے مگر وہ باز نہ آیا تاآنکہ مولوی صاحب نے خشمناک ہوکر ایک طمانچہ اس کے مارا۔ اس نے بھی تلوار کھینچ کر حملہ کیا تھا کہ حاضرین مسجد نے اس کو پکڑ لیا اور تلوار اس کی چھین کر بعد زد و کوب مسجد سے باہر نکال دیا۔ زد و کوب میں ایک زخم خفیف بھی

دبیرپورہ سکونت پذیر ہوئے اور اس مقام کا نام چنچل گوڑہ رکھا۔ بحال پیروی ان میں سے تھوڑے سرکار عالی کے زمرہ سپاہ میں ملازم ہوئے اور تھوڑوں نے تجارت وساہوکاری اختیار کی۔ اس زمانے میں تو یہاں کے اعلیٰ وادنیٰ سب کی گزر بسر قرض کشی پر منحصر تھی۔ بوجہ اشد ضرورت معمولی سود سے چہار چند سود بھی دیتے تھے بناءً علیہ تھوڑی سی مدت میں یہ لوگ نہایت مالدار اور دولت مند ہو گئے۔ اور سرکار عالی میں رسوخ حاصل کر کے بعض صاحب جمعیت وطبل وعلم وصاحب نوبت وجاگیرو معاش ہو کر درجۂ امارت کو پہونچ گئے۔ جب یہ زور حاصل ہو گیا تو معاملات داد وستد کی یہ نوبت ہوئی کہ جو مدیون وعدے کو وفا نہ کر سکتا یعنی ادائی قرضہ میں دیر کرتا تو اس کو مع اہل وعیال گرفتار کر کے قید شدید میں رکھتے اور اقسام کی تکلیفیں دیتے تھے۔ اس وجہ سے ان پٹھانوں کا خوف مخلوق حیدرآباد کو اس قدر ہو گیا تھا کہ اگر راستے سے کوئی پٹھان گذرتا تھا تو رہگذر کے لوگ باہم بات چیت نہیں کرتے تھے جب تک وہ پٹھان نظر سے غایب نہ ہو جاتا۔ اس فرقہ کی بے باکی وتعدی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ روز وفات والدہ راجہ چندو لعل متوفی قریب مقام چوک کے برادر زادۂ مولوی مرتضیٰ صاحب گھوڑے پر سوار جارہے تھے کہ ادہر سے محمد صاحب ابن سلطان میاں جو پیرزادے فرقہ مہدویہ کے تھے ان کی سواری نہایت دھوم دھام سے آئی بھالدار۔ بلم دار وغیرہ جلو داروں کے ہٹو بڑھو کا شور اور راستہ تنگ لہذا برادر زادۂ مولوی موصوف کا گھوڑا چمکا اور

جو مہدوی قصد داخل ہونے کا کرتا اُس کو مارتے تھے عرب لوگ اوپر سے تفنگ اندازی
میں سرگرم تھے۔ لیکن یہ اہل مسجد معدودے چند مخالفان کثیر کا مقابلہ کہاں تک
کر سکتے تھے آخر کار مجبور زخموں میں چور ہو کر شہید ہو گئے۔ افغانان مہدویہ مسجد میں
جا کر مولوی صاحب مظلوم کو جو مصلّے پر سر بسجود تھے مانند گوسفند قربانی کے ذبح
کر ڈالا۔ یہ فتنہ انگیزی و خونریزی باعث خرابی قوم مہدویہ کے ہوئی۔ مولوی صاحب
کے قتل ناحق کی خبر سماعت فرما کر اعلیحضرت سکندر جاہ بہادر آبدیدہ ہوئے
خاطر اقدس کو نہایت ملال ہوا۔ راجہ چندو لعل بہادر کے نام بکمال قہر و غضب
حکم جاری ہوا کہ فی الفور ایک پلٹن جنگی اور کئی تجربہ کار بہادر مقرر کر کے سرکوبی کے لیے
ان بے ادبان سرکش کی روانہ کریں۔ مہدوی پٹھان انجام کار کو سوچ کر جلو خانہ
مذکور سے بھاگ گئے۔ بعد ازاں حکم اقدس ہوا کہ مجروحین و مقتولین طرفین
ورثائے طرفین کے حوالے کر دئے جائیں پلٹن کے جوان جلو خانہ مذکور کے اطراف جا بجا
حفاظت کے واسطے مسلح و مستعد رہیں۔ اگر بقصد فساد پھر کوئی آئے تو بلا تامل اس کو
گولی ماردی جائے۔ الغرض اس واقعہ حیرت افزا سے اس روز تمام شہر میں
عجیب شور و غوغا تھا اور اس شب کو بہ اندیشۂ ہنگامہ محشر زا کوئی سویا نہیں جب
صبح ہوئی تو صدر الصدور مع بعض امرا و علمائے شہر جمع ہو کر لاشۂ مولوی مظلوم
شہید کو دفن کیا۔ قریب دو پہر دن چڑھے کے چار مینار کے قریب مسجد جامع پر
مسلمانوں کا مجمع کثیر باتفنگ و شمشیر مہدویوں سے انتقام لینے کے واسطے بکمال

اس کے سر میں آیا تھا۔ وہ پٹھان حوض واقع جلوخانہ مذکور پر جاکر بقصد فساد عظیم بیٹھ گیا اور اپنے ہم قوموں کو خبر کی۔ بمجرد خبر ہونے کے پانسو پٹھان مسلح دوڑے ہوئے آئے دروازہ جلوخانۂ مذکور کا دربانوں نے بند کرلیا تھا۔ نواب نیر الملک بہادر اس روز حویلی قدیم سے اپنی حویلی جدید میں اہتمام و انتظام عاشور خانہ کے لئے حسب معمول ہر سال تشریف لے گئے تھے۔ اس ہنگامے کی خبر سن کر فرمایا کہ طرفین کے لوگوں کو بہ نرمی و صلاحیت فہمایش کرکے فساد رفع دفع کردیں۔ مہتاب خاں اور باز خاں کو طلب کرکے تاکید بلیغ کی کہ اپنے ہم قوموں کو سمجھا کر واپس کردو ایسا نہ ہو کہ فساد و جنگ و جدال کی نوبت آئے۔ اس تاکید و اہتمام صلح کے بھروسے پر مصلحوں نے یعنے مہتاب خاں اور باز خاں نے دروازہ کھلا دیا اور حسب الحکم نواب صاحب ممدوح ہرچند سمجھایا اور جنگ و جدل نہ کرنے کے لئے نرمی و صلاحیت سے ہزار فہمائش کی مگر مطلق اثر نہ ہوا اور بمجرد دروازہ کھلنے کے جملہ پٹھان باتیغ و سناں حملہ آور ہوئے یہ خبر نواب صاحب ممدوح کو پہونچی تک مسجد پر جا پڑے۔ اس وقت مسجد میں حسن خاں اور ان کا بھائی دایم خاں مندوزئی۔ امام الدین خاں فرزند اکبر یار جنگ تاج محمد خاں برادرزادہ عزت یار خاں محی الدولہ بہادر۔ چند عرب اور دو تین نمازی جمع تھے۔ اس ہنگامۂ محشر نما کو دیکھ کر اہل مسجد نے جہاد پر کمریں باندھ لیں اور روک ٹوک کرنے لگے۔ لیکن قضا و قدر کو کون روک سکتا ہے۔ خونریزی شروع ہوئی۔ دائم خاں اور ان کا بھائی دروازۂ مسجد کے دو جانب شمشیر بدست بکمال ثابت قدمی کھڑے ہوگئے۔

بہ کمال جوش روانہ ہوئے ان کے پیچھے ہزار ہا عوام الناس نا عاقبت شناس آراستہ و پیراستہ با زرین لباس دروازہ یاقوت پورہ پر جو حسب الحکم سرکار مسدود و مقفل ہوا تھا پہنچ کر تھمے اور تقاضا قفل کھولنے کے لئے دربان پر ہونے لگا۔ دربان نے جب نہ کھولا تو بلوائیوں نے قفل کو توڑ کر دروازہ کھولدیا پھر کیا تھا مانند دریائے موجزن کے روانہ ہوئے۔ قریب جنجل گوڑہ کے ایک میدان میں پہنچ کر ٹھہر گئے۔ نیاز بہادر خاں وغیرہ افسران اعلیٰ ترتیب صفوف وانتظام میدان جنگ میں مصروف تھے کہ ایک ٹکڑی سواران مہدویہ کی عقب سے ٹیلے کے جو اس میدان میں واقع تھا نکلی اور بے تحاشہ صالح محمد خاں کے ہمراہیوں پر حملہ کیا۔ تلوار چلنے لگی۔ نیاز بہادر خاں نے جو یہ دیکھا ہاتھی پر سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے سواروں کو صالح محمد خاں کی مدد کے لئے روانہ کیا اور شمشیر خاں مہدوی بھانجہ شاہ عالم خاں کا اور عمر خاں نامی مہدوی یہ ہر دو اپنی جوق سے جدا ہو کر نیاز بہادر خاں کے مقابلے پر آ گئے۔ عین زد و ضرب میں تلوار نیاز بہادر خاں کی ٹوٹ گئی اور گھوڑا بھی رہ گیا تا آنکہ پیدل ہو کر داد مردانگی دی اور مقتول ہو گئے۔

افسوس ہے کہ ہمراہیان نیاز بہادر خاں میں سے کسی نے بھی اپنے آقا کی امداد نہ کی۔ براہ نمک حرامی بالکل بے خبر رہے۔ عوام الناس نے جو محض تماشا سمجھ کر آئے تھے دیکھا کہ یہاں جان پر کھیلنا ہے اپنی اپنی تلواریں بغل میں دبائے ہوئے بھاگے

جوش و خروش فراہم ہوا ۔ اعلیٰ وادنیٰ ملازمت پیشہ تجارت پیشہ اہل حرفہ وغیرہ میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو زیر علم حاضر نہ ہوا ہو۔ دوکانیں تمام بند ۔ مکانات مردوں سے خالی مستورات کی پریشان حالی ۔ ہر طرف سے شور برپا کہ ہاں چلو تلوار باندھو بندوق لو ۔ اس روز شہر میں ایک قیامت برپا تھی ۔ جمع ہوتے ہوتے شام ہونے آئی ۔ اس ہنگامے کے جو سرخیل تھے ان کی رائے یہ ہوئی کہ آج شام ہوگئی ہے کل اوّل وقت چلیں گے یہ سن کر سب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے ۔ دوسرے روز جو تیسری ماہ محرم کی ۱۲۳۰ئہ جمعہ کا دن تھا پھر صبح سے مکہ مسجد میں بلوائی جمع ہونے لگے اور یہ رائے قرار پائی کہ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی روانہ میدان جہاد ہوں ۔ اس عام ہنگامے کے روکنے کے لیے وزیر سلطنت نے اور پیشکار صاحب نے بہت کچھ امتناعی احکام بھیجے نصیحتانہ فہمایش کی مگر بالکل موثر نہ ہوا ۔ جوں جوں عوام الناس شریک مجمع ہوتے گئے اسی قدر جوش بڑھتا گیا ۔ دوبارہ پیشگاہ **اعلیحضرت** سے بذریعہ معتبرین سلطنت نہایت قدغن کے ساتھ حکم نافذ ہوا کہ اگر کوئی شخص ہمارے حکم کو نہ مان کر ان بلوائیوں کا ساتھ دیگا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھوئے ۔ باوجود اس کے بعض معززین مانند نیاز بہادر خان بہادر ۔ منصور خان ۔ صالح محمد خان کیقباد جنگ بہادر ۔ برادر رفعت الملک بہادر اور اکثر سرکاری لوگ اور چند جوق عربوں کے مع چند ضرب توپ مکہ مسجد میں آئے اور تین پہر کے قریب مولوی شجاع الدین اور اولیا صاحب کو جو کہ بانی مبانی اس بلوائے عام کے تھے ہمراہ لے کر مانند دریا کے

اس فرقہ کے چار شخص چارسو کے حوض کے پاس آکر کھڑے رہے۔ سواری محی الدولہ عزت یار خاں صدر الصدور کی جب آئی۔ چونکہ صدر الصدور طبیب بھی تھے اس لئے ان چاروں میں سے ایک شخص نبض دکھانے کے بہانے سے قریب پنس کے گیا۔ صدر الصدور تلاوت قرآن شریف میں مشغول تھے اور سر راہ سواری چلتی ہوئی میں نبض دیکھنے کا حالانکہ موقع نہ تھا مگر بکمال اخلاق و انسانیت ایک ہاتھ میں قرآن شریف کو تھام کر دوسرے ہاتھ سے نبض دیکھنے لگے۔ ساتھ ہی اس شخص نے کٹار سے مارا قرآن شریف صدر الصدور کے خون سے رنگین ہوگیا۔ اور وہ چاروں پٹھان عالیجاہ کے کوٹلے کی جانب برہنہ تلواریں لیے ہوئے بھاگے۔ اس وقت پولیس ایسی کہاں تھی جو پرساں ہوتی مگر صدر الصدور کا خدمتگار پکارتا ہوا پیچھے ان کے دوڑا کہ یہ جانے نہ پائیں صدر الصدور کو مار کر جارہے ہیں۔ اتفاقاً اس وقت مبارزالدولہ بہادر بالاخانے پر برآمد تھے اُن کے حکم سے ایک منصبدار زادہ دوڑ کر حایل ہوا اور ان میں کے تین شخصوں کو مار لیا باقی ایک نکل گیا۔

واضح ہو کہ تخلیۂ چپل گوڑہ اور واقعہ اخراج کے بعد یہ لوگ لال گڑی وغیرہ مقامات پر چند سال باہر رہے بعد ازاں بتدریج پھر آگئے۔ اور حسب بیان ہدیۂ عہدیہ مذکور مہاراجہ بہادر کو نذرانے دینے سے ان کی جمعداریاں اور اکثر جاگیرداریں رفتہ رفتہ پھر بحال ہوگئیں اور صاحب ثروت ہوگئے۔

بزمانۂ مدار المہامی مغفور اوّل بھی اس فرقہ سے اور ایک واقعہ ظہور میں آیا۔

چند بہادر اشخاص مع عربوں کے سرگرم جنگ تھے منصور خاں ایک سمت توپ سے کام لے رہے تھے کہ دفعتاً چند مہدوی منصور خاں پر جا پڑے۔ منصور خاں مع خواہرزادہ زخموں میں چور گر گئے۔ مہدوی موقع پاکر توپ اٹھا لے گئے۔ سید نصرت خواہرزادہ ان کا تھا اور داروغگی ہر کارہائے حضوری حاصل کی تھی۔ نیز روشن خاں وغیرہ اکثر نامورؔان میں کے قریب تین سو اسم کے مارے گئے۔ ادہر کے بھی ایک سو پچاس آدمی کے قریب مقتول و مجروح ہوئے۔ چونکہ شام ہوگئی تھی مجمع قتال پریشان اور ہر ایک اپنے اپنے مسکن کی جانب رواں ہوا۔ جب یہ خبر جسارت و سرکشی فرقہ مہدویہ کی سمع اقدس اعلیحضرت میں پہنچی تو بکمال قہر و غضب حکم جاری فرمایا کہ رات ہی کو انگریزی فوج مع توپخانہ جو ہمارے علاقہ کی ہے ان گستاخوں کے استیصال کے لئے جائے چنانچہ دوسرے روز صبح کو حسب الحکم اقدس انگریزی فوج نے آکر چنچل گوڑہ کو گھیر لیا اور منتظر حکم کے تھے کہ شاہ عالم خاں وغیرہ معززان مہدویہ نہایت عاجزی و منت کے ساتھ ملتجی ہوئے کہ دو تین روز کی مہلت ملی تو ہم سب مع عیال و اطفال و اثاث البیت یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ امان خواہ کو امان دینی شیوۂ اسلام ہے اس لئے دو روز کی مہلت دی گئی۔ اس مہلت میں جملہ مہدوی پٹھان اپنا اثاث البیت وغیرہ اٹھا لے گئے۔ کوئی شخص ان میں سے بمقام چنچل گوڑہ نہ رہا۔ ختم ہوا ترجمہ کتاب لالہ برجناتھ۔

ہدیہ مہدویہ میں مندرج ہے کہ چنچل گوڑے سے اخراج ہونے کے بعد ایک روز

ایک واقعہ یہ کہ ایک روز دو مصنوعی دو لٹھے بناکر بہ بہانۂ نذر دہی خدمت میں بہادر ممدوح کی لائے۔ نذر دینے کے لئے جھکتے ہی مصنوعی دو لٹھے بہادر ممدوح کے شکم میں کٹار لگانے پر تھے مگر فتح علی خانساماں بہادر ممدوح کا مشہور جان نثار جو ہمہ وقت حاضر رہتا تھا اور اس کی نظر شمع جمال بہادر ممدوح کے اطراف مانند پروانے کے پھرتی رہتی تھی، اپنے آقا پر کب آنچ آنے دیتا تھا فی الفور بیچ میں گر پڑا۔ بہادر ممدوح بچ کر ایک طرف ہو گئے اور مصنوعی دو لٹھوں کو مع ہمراہیوں کے جاں نثاران بہادر ممدوح نے عروس مرگ سے ہم آغوش کر دیا۔ ان کی تائید پر اور ایک دو پٹھان زینے چڑھ کر بالاخانہ پر آ رہے تھے ان کو غالب جنگ نے جو ہنوز غالب جنگ نہ ہوئے تھے تینچے سے مار کر گرا دیا۔ دیوان خانہ و جلو خانہ میں جو ان کے اور ساتھ والے تھے ان کو عربوں نے دیکھ لیا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ سمت سرور نگر سیدا باغ میں مدار المہام موصوف کی سواری اتری تھی۔ دفعتاً خبر آئی کہ مطالبہ تنخواہ کے واسطے کئی جوق پٹھان ہمہ و مسلح بقصد فساد باہر باغ کے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان میں کا ایک جمعدار جنید خاں نام جو ہمراہی مدار المہام موصوف میں تھا۔ باہر جا کر اپنی قوم کو بہت کچھ سمجھایا جب وہ نہ مانے تو بہادر ممدوح کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس وقت آپ کی سواری باہر نہ نکلے تو مناسب ہے کہ یہ لوگ آمادۂ فساد ہیں۔ بہادر ممدوح نے کچھ پروا نہ کر کے حکم سواری کا دیا۔ تا آنکہ جلوس سواری آگے بڑھا اور خاص بوچھا سواری بہادر ممدوح کا

مگر اب اس ہنگامہ و خونریزی زمانہ سابق کی جرات کیونکر ہو سکتی تھی۔ ہاں یہ ہوا کہ اس فرقہ کے عالموں نے مولوی محمد زماں خاں صاحب سے بذریعہ بعض اشخاص مذہبی مباحثے کی بنا ڈالی۔ مولوی صاحب نے ان کے عقائد کی کتابیں انہیں سے حاصل کر کے ان کی تردید کی اور اس کتاب کا نام ہدیہ مہدویہ رکھا جس کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔

تردید مذکور کی تردید کرنے کے عوض فرقہ مہدویہ کو جوش خونریزی پیدا ہوا مگر یہ زمانہ قانون کا تھا لہذا فقط ایک شخص اس فرقے کا قتل مولوی صاحب پر آمادہ ہو کر آگیا۔ تاکہ حسب شرع و قانون قصاص اسی ایک قاتل کی ذات پر آئے اور فرقہ محفوظ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بتاریخ ۶ ماہ ذیحجہ ۱۲۹۲ھ بعد نماز مغرب مولوی صاحب موصوف مسجد میں تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھے کہ ایک مہدوی پٹھان نوجوان عقب سے آکر دفعتاً بمقام گلو و سینہ مولوی صاحب پے در پے کٹار کے دو چار ضرب ایسے لگائے کہ جس سے مولوی صاحب شہید ہو گئے۔ قاتل کو اسی وقت گرفتار کر کے ہر چند پوچھا گیا کہ کس کی ترغیب سے تو نے یہ کام کیا اور تیرے ساتھ کون کون تھے۔ مگر اس نے اپنے قصد ذاتی کے سوائے کسی کا نام نہ بتلایا تاآنکہ قصاص کو پہنچا۔ اور چند علما ان کے جو مناظرے میں شریک تھے اخراج کر دیئے گئے۔ مذہب کے لئے جنگ و جدل کا بیان ہو گیا۔ مطالبہ تنخواہ کے لئے بھی دو واقعے مشہور ہیں اور وہ ہر دو واقعے سراج الملک بہادر مدارالمہام سرکار عالی ہی کے ساتھ وقوع میں آئے ہیں۔

نذر دیتے تھے اور وہیں پاندان انھیں مرحمت ہوتا تھا۔

واضح ہو کہ چنداجی نامبردہ ماہ لقا بائی خطاب طوائف سے تھی اواخر عہد مغفرت منزل و اوایل زمانۂ غفران منزل میں اپنے فن میں کامل اور ذی ثروت و مشہور تھی۔ شاعرہ صاحب سوادبھی تھی چنانچہ اس کے قلم کی ایک کتاب صدپند لقمان کتب خانہ عالیجناب نواب سالارجنگ بہادر حال میں موجود ہے جس کا سنہ کتابت ۱۲۳۶ھ ہے الحاصل راجہ موصوف کی جاگیر بھوم وغیرہ کی سند کو مولف نے دیکھا ہے۔

ایسی سند اب تک کوئی نظر نہیں آئی یعنی نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بحال رہنے کے سوائے دیسکھی اور دیسپانڈیہ وغیرہ جملہ حقوق و رسوم معاف مختصر یہ کہ ایسے کچھ مراحم اور رعایتیں اس سے پیدا ہیں جیسے کہ کوئی بادشاہ اپنے عزیز ترین عزیز کو لکھ دیتا ہے۔ اور اس پر شاہان دہلی کے دستخط و علامات طلائی مندرج ہیں۔

اور بار و برجی مہر ثبت ہے۔ راجہ موصوف دربار شہنشاہ دہلی کے امرامیں سے تھے جو برفاقت مغفرت مآب متعین ہو کر یہاں آئے تھے۔ اگر ان کے فرزند عیاشیوں میں آپ کو تباہ نہ کر لیتے تو وہی عزت و ثروت اب تک ان کی اولاد میں باقی رہتی۔

اسی طرح بسا دولتمند بدولت عیاشی و مصرفی تباہ ہو گئے ہیں۔ قدیمی ہم محلگی کے سبب سے مولف واقف ہے کہ علاوہ ہنود کے راجہ موصوف کی مسلمان اولاد میں جمیع مذاہب کے حضرات گزرے اور بعض موجود ہیں یعنی سنی شیعہ۔ مشایخ۔ فقیر وہابی وغیرہ۔

باغ کے پھاٹک سے نصف باہر ہوا تھا یعنے آگے کے کہار باہر نکلے تھے اور پیچھے کے ہنوز پھاٹک کے اندر تھے کہ پٹھانوں نے بندوقیں سر کیں جس سے چند ہمراہی مجروح و مقتول ہوئے اور ایک موٹا چھرا بوچہ کے آئینے کو توڑکر رخسار بہادر ممدوح میں قریب نرمہ گوش بیٹھا۔ بمجرد اس کے عربوں کی بندوقوں سے اکثر پٹھان مقتول ہوئے باقی نکل گئے۔

لیکن اس فرقے کی اب وہ جہالت نہیں رہی ہے۔ زمانے کی تہذیب نے انھیں مہذب و معقول کر دیا ہے۔ چنانچہ صاحب سواد ہوکر اہل قلم میں شریک ہوتے جاتے ہیں ان لوگوں کی نہ وہ اگلی وضع رہی ہے نہ وہ طبایع ہیں۔

راجہ راؤ رنبھا جیونت بہادر حال کے سردادا راجہ رنبھا نبال کر کلاں بہ سبب عیاشی مبتلائے قرضہ کثیر ہوکر تباہ ہو گئے تھے۔ ان کے خاندانی کبیرالسن اشخاص سے معلوم ہوا ہے کہ اسی زمانے میں مطالبہ رقم قرضہ و تنخواہ کے لئے عہدوی پٹھانوں نے سخت دنگا کیا تھا جس کے سبب سے ہتیار چلا۔ راجہ کلاں موصوف کے دو فرزند مسلمان یعنی صفدرالدولہ و رستم الدولہ مرحومین اس روز خوب لڑے اور کمال مردانگی دکھلائی۔ لچھمن لعل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ان کی جاگیرات کو قرضے میں پھنسا ہوا دیکھ کر مہاراجہ چندو لعل نے قرضہ کا تصفیہ کر دیا اور ان کی جاگیرات کو ضبط کر لیا۔ الخ لاکھوں روپے کی معاش اور جملہ ثروت صرف عیاشی و نذر چنداجی ہوگئی ورنہ ان کی عزت اس سلطنت میں مشہور تھی کہ ان کے جدّ اعلیٰ رئیس کی عماری سے عماری ملا کر

قزاقی و خونریزی نہایت بڑھ گئی تھی۔ ان کی اور عربوں کی بنتی نہ تھی۔ اکثر باہم خونریزیاں ہوئی ہیں۔ سوائے بلدے کے تعلقات وجاگیرات میں زیادہ تراس فرقے نے یعنی رہیلوں نے غارت گری مچائی تھی۔ ساہوکار وغیرہ جس کسی رعیت کو مالدار پاتے تھے اس کے گھر ڈاکا مارتے تھے۔ رہزنوں کی وجہ سے راستے بے امن تھے۔ اس فرقے کے ہم پیشہ مرہٹواڑی اور کنٹروغیرہ کے ڈکیت بھی مثل قوم بھیل۔ کیکاڑی۔ مانگ۔ سکھ۔ لمباڑے۔ گونڈ۔ ہٹکروغیرہ ان میں شامل ہو گئے تھے۔ بعض سرکش زمیندار و تعلقدار رہیلوں کی جمعیت بمقابلہ سرکار یا جاگیردار بھرتی کرتے تھے۔ اکثر زمیندار اور رہیلے گڑھیوں پر اور قلعوں پر قابض ہو گئے تھے۔ جس زمیندار یا تعلقدار کو کسی جاگیر یا تعلقہ پر قبضہ کرنا منظور ہوتا تھا تو رہیلوں کی جمعیت نوکر رکھ لیتے تھے۔ اور فی الفور چڑھائی کرتے تھے جس میں اکثر کشت و خون ہوتا تھا۔

رہیلوں کو زر کے ساتھ سچا عشق ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ رہیلے نوکر رہ کر اسی وقت لڑائی اور غارت گری پر روانہ کر دیئے گئے ہیں اور وہ وہاں لڑ کر مارے گئے حالانکہ ماہوار وغیرہ کا ایک پیسہ بھی نہ پایا فقط زر کے نام پر جانیں دے دیں۔

تجارت پیشہ وغیرہ لوگ اپنی رقم قرضہ عربوں اور رہیلوں کے ذریعہ سے بہ سختی خاطر خواہ وصول کر لیتے تھے۔ عرب یا افغان قرض خواہ ہوتا تھا تو قرضہ ادا نہ کرنے کی حالت میں قرض دار کے سر پر پتھر دے کر کھڑا کرتا تھا اور لوہے کو

عہد مہاراجہ چندو لعل میں سکھوں کا بھی زور بڑھ گیا تھا چنانچہ مطالبۂ تنخواہ کے لئے سکھ لوگ ایک روز دولت خانہ حضور پرنور پر ڈنگا بیٹھے تھے۔ نیز رشید الدین خانی میں مرقوم ہے کہ سکھ لوگ ۱۲۵۹ھ میں کاروان کے دو ساہوکاروں کو اثنائے راہ میں سے پکڑ لے گئے کہ جب تک سرکار ہماری تنخواہ نہ دے گی ہم ان کو نہ چھوڑیں گے۔ سرکاری جمعیت بھیجی گئی لیکن کچھ نہ ہوا۔ بلکہ سکھوں کی بستی کے قریب جو میر عالم مرحوم کا تالاب ہے اس کا بند توڑ کر جمعیت سرکاری کو بہا دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ تا آنکہ کئی روز کی فہمائش کے بعد سرکار عالی نے چھیانوے ہزار روپے نقد دے کر ساہوکاروں کو رہائی دلائی۔ قدیم لوگوں کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا ہے اور اب تک مشہور ہے کہ بلٹن والے بھی اس زمانے میں مطالبۂ تنخواہ کے لئے بارگاہ شاہی پر ڈنگا بیٹھا کرتے تھے مرقعہ عبرت سے ظاہر ہے کہ اسی زمانے میں پٹھان لوگ بھی بارگاہ شاہی میں مطالبۂ تنخواہ کے واسطے حالانکہ بے اصل تھا متمردانہ درائے تھے جن میں جہانگیر خاں بدمعاش بھی شریک تھا۔ وہی جہانگیر خاں جس نے دربار میں قرابین سرکی تھی اور اس کا بیان موقع پر آئے گا۔

نیز قرض خواہ وغیرہ اہل رسالۂ خاص بھی ڈنگا بیٹھے تھے چنانچہ قلندر بیگ کو گرفتار کرنے کا جب حکم ہوا تو قلندر بیگ لڑکر بارگاہِ شاہی میں جلوخانہ خوابگاہ کی طرف مقتول ہوا۔ اور کئی سپاہی سرکاری مجروح و مقتول ہوئے۔ اسی زمانے میں رہیلوں کی

باہر ندی کے کنارے واقع ہے۔ اسی طرح اکثر مقامات پر ہنگامے برپا تھے۔
رستم الدولہ مقتول موصوف کے فرزند واحد علی خاں کو نواب صاحب مغفور نے عہدۂ مہتممی پولیس اضلاع سے سرفراز فرمایا تھا۔ واحد علی خاں مرحوم کے دو فرزند موجود ہیں ایک پرورش علی خاں دوسرے ریاست علی خاں سرکار عالی میں منصب پاتے ہیں۔

تعلقات میں پولیس نہ تھی۔ بلدے میں کوتوالی تھی مگر کمزور و ناکافی۔ نہ آیسے جابجا تھانے تھے نہ اس قدر جمعیت تھی۔ تمام بلدے میں چند چاوڑیاں یعنی تھانے تھے۔ ہر چاوڑی میں چار پانچ قلیل ماہوار کے جوان ہوتے جن میں بوڑھے بھی ملازم تھے۔ وہ بھی برابر حاضر نہ رہتے تھے۔ بعض جوان چاوڑی میں پکا کر کھاتے تھے ان کا عہدہ دار نایک یا امین کہلاتا تھا۔ جب اس کی طبیعت چاہتی چاوڑی میں آتا تھا۔ ڈریس تو کسی کو بھی نہ تھا۔ چاوڑی کے ایک ستون کو چند لٹھیں باندھے ہوئے رکھتے تھے۔ دو تین بیڑیاں لوہے کی آویزاں رہتیں۔ بڑی چاوڑی میں گشت یعنی رون پھرنے کے لئے ایک دہیڑ اور سینگہ رہتا تھا۔ نصف شب کے بعد گشت نکلتی تھی اس صورت سے کہ چند جوان ان کے ساتھ دہیڑا اور سینگہ بجانے والے ہوتے تھے اور شاہراہوں پر گزرتے تھے۔ دہیڑا اور سینگہ بجانے کا یہ طریقہ کہ ایک دم سے یہاں بجادیا اور ساکت ہوگئے۔ تھوڑی دور جاکر پھر ایک دم سے ڈھپ ڈھپ بجایا اور ساکت۔ اسی طرح کہیں کہیں بجاتے ہوئے شہر پناہ کے

گرم کرکے چرکے دیتا تھا جس شخص پر رہزنی وغیرہ کا شبہ ہوتا تو اس کو گرفتار کر لیتے تھے اور بغیر تحقیقات و ثبوت کے قید رکھتے تھے۔ جب وہ کچھ رقم دیتا تھا تو اس کو چھوڑ بھی دیتے تھے۔ اقسام کے ظلم اور چوریاں ہر روز ہوتی تھیں۔ بعض عملدار ضلع کے ساتھ کچھ رقم نامی ڈاکوؤں کو دیتے تھے تو ان کے تعلقات ڈکیتیوں سے کسی قدر محفوظ رہتے تھے۔

اگر شاذ و نادر کوئی ڈاکو گرفتار ہوجاتا تھا اور لوٹ کا مال اس کے پاس سے ہاتھ آجاتا تو سرکاری جمعیت اس کی مالک ہوجاتی تھی۔ اصل مالک کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ سرکاری سپاہیوں کی تنخواہ تین چار روپے ماہانہ سے زیادہ نہ تھی وہ بھی دس بارہ بارہ مہینے تک برآیندہ ہوتی تھی۔ پس وہ بھوکے بیچارے لوٹ کا مال ہاتھ آنے پر صبر کیونکر کرسکتے تھے الغرض ایسی بہت سی خرابیاں تھیں۔ چنانچہ ۱۲۶۷؁ھ میں بمقام ملکھیڑ ضلع گلبرگہ قزاقوں نے غارت گری مچائی تھی تو منجانب سرکار عالی راجہ راو رنبھا منوفی کلاں کے فرزند رستم الدولہ بہادر سرکردۂ فوج ہوکران کی سرکوبی کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اور وہ بکمال عزم و جرات وہاں پہنچ کر مستعد سرکوبی تھے اور کثرت قزاقان و قلتِ فوج سرکاری کی وجہ سے برائے امداد سرکار عالی میں معروضہ روانہ کیا تھا۔ لیکن صدر سے امداد بھیجنے میں تاخیر ہوئی تاآنکہ موقع پاکر قزاقوں نے شبخون مارا جس میں رستم الدولہ بہادر مقتول ہوگئے اور بہت سے سپاہی سرکاری مارے گئے۔ بہادر مقتول مزبور کا مزار سیڑم کے

ویسا اس کو اندر نہ پایا۔ جب ہم چار مینار کے پاس پہونچے تو گھوڑوں سے اتر کر سیڑھیوں پر چڑھے اور اس کے چبوترے پر گئے۔ چار مینار کے نیچے کا حصہ نہایت شکستہ حالت میں تھا اور اس میں چھوٹی چھوٹی جھوپڑیاں اور کپڑے کے پال تنے ہوئے تھے جن میں کونجڑے اور حلوائی کی دوکانیں تھیں۔ المختصر وہاں میرے باپ نے ایک دلال موہن داس نام کو پیدا کیا اور اس کی معرفت ایک سوداگر سے ہم جا ملے اور جملہ سامان پارچہ زرین و جواہر وغیرہ مذکور ہم نے تیس ہزار چھ سو روپے کو فروخت کر دیا۔ جب میں اور دلال مذکور ہر دو رقم لانے کو چلے تو دلال نے راہ میں مجھ سے پوچھا کہ آیا یہ روپیہ تمھارا ہے یا کسی اور کا میں نے کہا یہ روپیہ اس کا ہے جس نے تم کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ پھر میں نے اس کے قیافے سے طینت کو پہچان کر کمال ہوشیاری سے اس کے دل کا بھید لیا تو اس نے کہا کہ تم ایک بہادر آدمی ہو جو ہندوستان سے اس مالدار سوداگر کے ساتھ آئے ہو۔ تو پھر ہم تم کیوں نہیں اپنے آپ کو مالدار بنا لیتے۔ میں نے پوچھا کس طرح۔ اس نے کہا ماہو کار کے جوان ہمراہ لینے سے انکار کرو اور جن آدمیوں کو میں بتاؤں ان کو لے لو۔ یہاں سے تھوڑی دور پر ایک پہاڑی ہے جہاں میں اپنا چوری کا مال چھپا رکھتا ہوں وہاں پہنچ کر ہم تم روپیہ بانٹ لیں گے۔ میں نے پوچھا وہ جگہ کہاں ہے۔ اس نے کہا اس وقت دن کو وہاں نہیں جانا چاہئے۔ تھوڑی دور تک مجھ کو ساتھ لیجا کر اشارہ سے ایک بڑی پہاڑی اور

دروازے تک وہ گشت پہونچ کر واپس ہوتی تھی۔کہیں راہ میں یکّا دکّا آدمی نظر آتا تو اس کو ٹوکتے اور پوچھتے تھے کہ کون ہے کہاں جاتا ہے ورنہ پانچ سات آدمی مسلّح اگر مل جاتے تو پوچھنے کی بھی جرات نہ ہوتی۔چنانچہ اسی زمانے میں سنا گیا تھا کہ روہیلے وغیرہ ڈاکے والے ہرگاہ راہ میں مل گئے ہیں تو گشت والے خود اپنی جانیں بچاکر کسی بھی گوشے میں دب گئے ہیں۔ الغرض کوتوالی کا وجود و عدم یکساں تھا نہ کوتوالی کسی کی خبرگیراں تھی۔نہ کوئی کوتوالی کا پرساں تھا۔

امیر علی ٹھگ کی سوانح عمری مطبوعہ میں جو واقعات متعلق حیدرآباد مندرج ہیں اُن سے بھی پایا جاتا ہے کہ زمانۂ سابق میں یہاں کا کیا حال تھا چنانچہ اس میں سے چند واقعات بطور اختصار و خلاصہ برائے ملاحظہ ناظرین درج ذیل ہیں۔

امیر علی مذکور بیان کرتا ہے کہ جب ہندوستان سے مع ہمراہیان باشتیاق حیدرآباد ہم آئے اور کاروان کی سرا میں پہونچ کر ایک مکان کرایے کا لیا۔ اس میں وہ تمام سامان جو لوٹ مار کر لائے تھے محفوظ مقام پر رکھ دیا۔میرے باپ نے کہا اگر ہم اپنے مال کو بغیر بازاری بھاؤ جاننے کے دے دیں گے تو علاوہ کافی قیمت نہ ملنے کے لوگوں کو ہماری طرف سے بدگمانی بھی پیدا ہوگی۔دوسرے روز صبح کو میں اور میرے باپ نے عمدہ کپڑے پہنے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پل سے جو قریب میں واقع تھا گذرے اور دروازے میں شہر کے داخل ہوئے شہر کی راہیں تنگ اور غلیظ تھیں جیسا کہ ہم نے باہر سے دیکھ کر شہر کو خیال کیا تھا

دروازہ مضبوط بند تھا۔ میں اس کے پیچھے ہی پہنچا اور فانل رومال اس کی گردن میں ڈالا۔ اس نے پھر کر میری طرف گھورا اور ایک لحظے کے بعد اس کا مردہ میرے پاؤں پر پڑا تھا۔ اس کے بعد بھدری ناتھ کے پاس میں گیا جو ہمارے ساتھ کا جمعدار ٹھگ تھا اور اس سے میں نے دلال کی ساری سرگزشت کہہ سنائی اور دلال مذکور کی بتلائی ہوئی پہاڑی پر چلنے کا سامان کیا۔ بھدری ناتھ نے ایک شیخ جی نامی ٹھگ کو جو فقیروں کا بھیس بنانے میں مشاق تھا پہلے پہاڑی پر کیفیت معلوم کرنے کو روانہ کیا اس عرصے میں ہمارا ہم پیشہ سرفراز خاں آیا اور کہا ہمارا کام توکل شب کا خوب تھا اور اچھی لوٹ ہاتھ آئی ہے۔ ہم ان لوگوں کو مچھلی بندر کی سڑک سے لے چلے اور سرور نگر کے اس طرف ایک مقام پر ان کو مار ڈالا اور ان کے لاشوں کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا اور دوسرے راستے سے واپس آئے۔

سبحان اللہ حیدر آباد ایک نادر جگہ ہے جہاں ہم بلا خوف و خطر رہ سکتے ہیں اور ہر روز یہاں ایک تازہ شکار ہاتھ آتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہاں ہم کو زیادہ ٹھہرنا چاہئے۔ ان باتوں میں ہم مصروف تھے کہ شام ہوگئی اور شیخ جی جاسوس نے آکر کہا میں اس مقام پر جا کر فقیر کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ اس نے مجھ کو نیچے اتر جانے کے لئے دھمکایا لیکن جب میں نے اس سے کہا کہ میں بہت بھوکا پیاسا مسافر ہوں خدا کے واسطے ایک ٹکڑا روٹی کا اور دو گھونٹ پانی دو۔ یہ سن کر ذرا نرم ہوا اور مجھ کو کچھ کھانا دیا تو میں نے اپنی افیون کی ڈبیا نکال کر ذرا سی کھالی۔ یہ دیکھ کر

پتھروں کی چٹانیں بتائی جو کاروان و بیگم بازار کے پیچھے واقع تھی۔ اور کہا یہ وہی مقام ہے اس کو سوا میرے اور دوسرے چند آدمیوں کے کوئی نہیں جانتا ہے۔ ہم کل سولھا (۱۶) آدمی ہیں ان میں سے ایک تو فقیر کا بھیس بنائے بیٹھا ہے۔ یہ سن کر میں اس کو ڈانٹا اور کہا او کتے تو کس سے یہ کہہ رہا ہے مجھ کو کیا سمجھا ہے ناحق تضیع اوقات کی تو نے اب تک تو ہم اپنے مکان پر واپس ہو جاتے۔ چل ملعون مجھ کو ساہوکار کے پاس لے چل۔ بخدا تیرا اعتبار نہ رہا۔ اس نے گھبرا کر کہا نہیں اس معاملہ میں تو میں نے ایمانداری کی ہے روپیہ سے تو آپ مطمئن رہیں۔ بعدازاں جلد ہم اس ساہوکار کے مکان پر پہنچے جو ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ پھر میں نے تمام روپیہ لے کر ساہوکار کے جوانوں کے ہمراہ اپنے باپ کے پاس روانہ ہوا۔ جب ہم اپنے قیام گاہ کے قریب پہونچے تو دلال نے مجھ سے کہا۔ میر صاحب جو کچھ گزرا اس کو بھول جائے بھگوان جانتا ہے میں آپ سے دل لگی کرتا تھا۔ جب تمام روپیہ ہمارے مکان میں پہونچ گیا تب ہم نے سپاہیوں کو کسی قدر انعام دے کر روانہ کر دیا۔ میرے باپ نے ایکسو پچاس روپے حق دلالی دلال کے حوالے کئے۔ وہ لے کر جانے کو تھا کہ میں نے اپنے باپ سے وہ سب باتیں کہہ دیں جو دلال نے مجھ سے کی تھیں۔ یہ سن کر میرا باپ دلال سے بولا کیوں حرامزادے کیا تو ہمیں کو لوٹنا چاہتا تھا۔ اس وقت خوف کے مارے دلال کا تمام جسم کانپ رہا تھا۔ بعدازاں دروازے کی طرف بے تحاشا بھاگا

نگرانی کر رہے تھے بھاگ کر آئے اور دو آدمیوں کے آنے کی خبر دی ۔ ہم سب نہایت پھرتی سے باہر نکل آئے ۔ پھر میں نے کہا چراغ بجھا دو اور تم لوگ اس غار کے اطراف چھپ جاؤ ۔ ہم لوگ چھپ چکے تھے اور اپنے رومالوں کو تیار کر لیا تھا کہ وہ دونوں آدمی پہنچے اور اپنے بوجھ زمین پر پٹکے ۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کہاں ہے وہ نشہ باز حرامزادہ ہمارے لیے چراغ تک نہ جلایا ۔ یہ فقرہ کو گالیاں دیتا ہوا اندر آیا ۔ میں اور سرفراز خاں نے اس کو مار لیا ۔ لیکن دوسرا آدمی جو باہر تھا کشمکش کی آواز سن کر بھاگنے میں اس کو ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گرا ۔ اس کے گرتے ہی ہمارے ایک آدمی نے چٹان کے پیچھے سے دوڑ کر اس کو مار لیا ۔ میں نے کہا بس کافی ہے اب چلیں ۔ پھر ہم اس غار میں گھسے اور ایک ایک نے ایک ایک گٹھڑی اٹھائی اور باہر آئے اور سرائی کی طرف روانہ ہوئے ۔ تمام اسباب اور مختلف سامان جو ہم لوٹ لانے تھے اور یہاں لوٹا تھا وہ سب بیچنے سے کل رقم پچاس ہزار روپے کے قریب جمع ہوگئی تھی ۔ میرے باپ نے اب شہر سے روانہ ہونے کی نسبت گفتگو کی ۔ میں نے اور دس روز ٹھہرنے کے لئے اجازت مانگی کیونکہ میں نے باتفاق رائے بھدری ناتھ و سرفراز خاں یہ تجویز قرار دی تھی کہ ہمارے گروہ کے سب آدمی چار جماعتوں میں تقسیم کیے جائیں اور شہر کی چاروں طرف علاحدہ علاحدہ مقاموں پر جا کر رہیں اور اپنا اپنا کام کریں اور جو کچھ مال ہاتھ آئے وہ ایک جا جمع کیا جائے ۔ چنانچہ اسی دن سے تعمیل شروع ہوئی ۔ میرے حلہ کے تالاب کے قریب

اس لے بھی تھوڑی افیون مانگی اور ایسا بڑا گوٹا اڑا یا ہے کہ صبح تک نشے سے
بیدار نہ ہوگا۔ یہ سن کر ہم سب چلے۔ جب اس غار کے پاس پہنچے تو شیخ جی نے
کان میں آہستہ سے کہا دیکھو وہ اب تک چراغ کے سامنے سو رہا ہے پاؤں آہستہ
اٹھاؤ شاید چونک پڑے۔ قریب پہنچ کر میں نے بھدری ناتھ سے کہا وہ سو رہا ہے
میں اس کی گردن میں کیسے رومال ڈالوں۔ یہ سن کر بھدری ناتھ نے فقیر کے
معدہ پر اپنی تلوار کے قبضے سے ایک سخت صدمہ پہنچایا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا
میرا رومال تیار تھا ایک دم میں وہ فقیر مر گیا۔ میں نے پھر چراغ کو تیز کر کے دیکھا تو
غار کے ایک کونے میں مٹی کے گھڑے اور مرتبان تلے اوپر رکھے تھے ان میں سے
دو پہلے گھڑوں کو اٹھا کر دیکھا تو چاول اور دال بھری ہوئی تھی مگر تیسرے مٹکے
میں روپے اور پیسے ملے ہوئے تھے اور سب سے آخری مٹکا تو سب سے عمدہ تھا
اس میں سونے چاندی کا زیور انگوٹھیاں پازیب اور بازو بند منہ تک بھرے تھے۔
پھر ہم جا بجا دوسرے پوشیدہ مقاموں کو تلاش کر رہے تھے کہ دو چٹانوں کے
بیچ میں ایک تنگ و تاریک درہ نظر آیا میں اس غار میں چراغ لے کر گیا۔ وہ جگہ
بنڈلوں سے اور گٹھریوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک گٹھری کو
کھولا جس میں پکانے کے برتن اور ظروف کھچا کھچ بھرے تھے اور کچھ سونے چاندی
کو اس میں پانے سے میں خوش ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں ہمارے گروہ کے آدمی
جو پہاڑی کی نگرانی کر رہے تھے بھاگ کر آئے اور دو آدمیوں نے جو پہاڑی

پہچان لیا۔

الغرض ایک گارڈ کی حراست میں ان سب کو شہر کی طرف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا اب ان غریبوں کی رہائی کرنی چاہئے۔ پھر میں شہر میں جاکر کوتوال کا مکان دیکھا ایک لانبی تنگ گلی میں واقع تھا اور یہ گلی میرے مطلب کے لئے خوب تھی اور کوتوال صاحب دو گھڑی رات گئے دربار کرتے ہیں یہ معلوم کر کے اپنے قیام گاہ کو واپس آیا۔ شام کو میں اور چھ آدمی شہر میں گئے اور منتفرق ہوگئے مگر ایک دوسرے کو نظر میں رکھتے ہوئے چلتا تھا۔ کوتوال کی گلی پر پہنچ کر ہم کچھ وقت تک ادھر ادھر ٹہلتے رہے اتنے میں ہمت خاں میرے پاس آیا اور کہا وہ آرہے ہیں۔ میں نے پوچھا کون ان کے محافظ ہیں تو کہا وہ لین والے تقریباً بیس جوان پرانی بندوقیں لیے ہوئے ہیں ایسے تو ہم سپاہیوں کو کاٹ کر دھر دیں گے۔ یہ سن کر ہم سب مستعد اور گلی میں اکٹھے ہوگئے۔ جب وہ قیدی ہمارے قریب پہنچے تو اس وقت میں نے چلاکر کہا۔ بھائی پان لاؤ۔ یہ اشارہ تھا یہ اشارے کے ہوتے ہی ہماری تلواریں میانوں سے نکل گئیں اور ہم نے سپاہیوں پر ایکبارگی حملہ کیا۔ دو آدمی مرکر گرے۔ میں قیدیوں کے پاس دوڑا اور اپنی تلوار سے ان کی رسی کاٹ دی جو قیدیوں کے بازو میں بندھی ہوئی تھی۔ ہمت خاں کے بیان کے موافق وہ سپاہی قیدیوں کے ہمراہی بمجرد حملے کے بھاگ گئے۔ الغرض ایک لحظہ میں ہم سب منتشر و متفرق ہوکر اپنے اپنے مقام پر پہونچ گئے۔ (ختم ہوا بیان امیر علی ٹھگ)

جو محلہ تھا میں وہاں جا کر ٹھہرا۔ بھدری ناتھ اور اس کی جماعت چادر گھاٹ کے بازار میں رزیڈنسی کے نزدیک جا کر اتری۔ سرفراز خاں بدستور آٹھ آدمیوں کے ساتھ کاروان میں رہا۔ چوتھی ایک بڑی جماعت پیر خاں اور موتی رام کے ماتحت ہو کر شہر کی مغربی سڑک شمس آباد کی طرف جا کر ٹھہری۔ ہماری اس تجویز میں تعجب انگیز کامیابی ہوئی۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا جس میں ہماری جماعتیں ہم کو ہلاکت کی خبر نہ پہنچاتی ہوں۔ مگر ان وارداتوں میں ہم کو بکثرت غنیمت ہاتھ آئی تھی۔ یہ کارروائی شروع ہونے کے آٹھویں دن صبح کو بھدری ناتھ نہایت پریشان میرے پاس آیا اور کہا کل شام کو سرفراز خاں نے دو ساہوکاروں کو جو دوسرے روز صبح کو اورنگ آباد روانہ ہونے والے تھے کہہ سن کر اپنے ساتھ سرا میں اوتارا تھا مگر ان کے چند دوستوں نے آکر کہا ایک ہفتہ شہر میں ٹھہرو تو ہم بھی چلتے ہیں۔ اس بات سے سرفراز خاں بے قرار ہو گیا اور ان کے دوست جاتے ہی ساہوکاروں کو فوراً مار ڈالا اور ان کا اسباب لے لیا۔ مگر ان ساہوکاروں کے دوستوں میں سے پھر ایک آدمی جلدی سے کوئی پیام لے کر سرا میں آیا تو سرفراز خاں نے کہا کہ وہ ساہوکار باہر کہیں گئے ہیں۔ وہ آدمی بہت دیر تک انتظار کرتا رہا آخر کار اس کو کچھ شبہ پیدا ہوا تو جا کر دوسرے آدمیوں کو ہمراہ لایا اور انھوں نے اپنے دوستوں کی تلاش میں اصرار کیا۔ سرفراز خاں نے مقتولوں کی لاشوں کو تو سرا میں گاڑ دیا تھا۔ لیکن ان کا کچھ زیور سرفراز خاں کے جسم پر ملا جس کو مقتولوں کے دوستوں نے

تفتیش وتحقیق کی تو وہ ایکا چو رنکلا شرعیوں کا لحاظ بہت رکھتے تھے اور اس زمانے میں لازمتر بھی یہی تھا۔ایک واقعہ اس زمانے کے بعض ثقہ حضرات سے مولف نے سنا ہے کہ اندرون دروازہ چادرگھاٹ نواب میر رضا علی خاں نام خاندان رکن الدولہ مرحوم سے رہتے تھے۔نہایت معقول وذی استعداد اور بنوٹ میں یعنی فن شمشیر میں کامل وشاگرد رشید حضرت محمد مراد علی شاہ چشتی نور اللہ مضجعہ کے تھے۔حضرت موصوف بنوٹ کے فن شریف میں مشہور آفاق ویکتائے روزگار تھے اور سوائے شرفازادوں کے کسی غیر شریف کو اگرچہ دولتمند ہوتا شاگرد نہ کرتے تھے چنانچہ یہ لحاظ ان کے قایم مقاموں کو بھی رہا اور ہے۔

رئیس الملک سلیمان جاہ بہادر۔مبارز الدولہ بہادر۔مہاراجہ نرندر بہادر نرسنگا رشید الملک بہادر۔وغیرہ مرشدزادے اور امرائے عظام اکثر ان کے شاگرد تھے۔ ان کے اوصاف کمال اگر مفصل لکھے جائیں تو ایک رسالہ علیحدہ مرتب ہوگا۔

ان کے فرزند حضرت محمد وزارت علی صاحب منصبدار مرحوم قایمقام ومنظر اپنے والد کے اور مولّف کے استاد شفیق تھے۔باوصف بسا شاگردان لایق ان کی نظر شفقت مولّف ناچیز پر زیادہ تھی اور قبل انتقال اپنے جانشین اپنا فن موصوف میں مولّف کو فرمایا۔چنانچہ نواب خانخاناں بہادر نے کہ شاگردوں میں استاد مولّف کے اپنے دولت سرا میں جلسہ جانشینی سنہ ۱۳۰۱ھ میں منعقد فرمایا۔جلسۂ موصوف اور اس کی مفصّل کیفیت بیان کرنا موجب تطویل کلام وباعث تفاخر مولّفِ گمنام ہے۔

اس سے پیدا ہے کہ کیسی بدنظمی و نارسائی کا وہ زمانہ تھا حالانکہ طالب الدولہ سانا مور کوتوال اس وقت تھا۔ ان کا داب و رعب چوروں اور بدمعاشوں پر بہت کچھ تھا۔ سو پچاس یا اس سے کچھ زیادہ غلام حبشی وغیرہ ان کے گھر کے اور دو تین سو ملازم جوان جرأت والے رکھے تھے۔ جو کوئی شورہ پشتی و شرارت کرتا یا کہیں ڈکیتیوں کا سراغ لگتا تھا تو ان کی گرفتاری کو یہ جمعیت بھیجی جاتی تھی جس کو طالب الدولہ کی دہونس کہتے تھے۔ لیکن اس قدر قلیل جمعیت سے لاکھوں آدمیوں کا انتظام خاطر خواہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ بہرصورت اس زمانے میں بہ نسبت دوسروں کے اچھے تھے۔ ان کا محکمہ اکثر بعد مغرب ہوتا تھا۔ مجرم و مستغیث رات ہی کو پیش ہوتے تھے۔ چوروں کو اپنے ہی روبرو جس قدر مناسب جانتے مار کھلواتے تھے اور اکثر املی کے درخت کی باریک چھڑیوں سے مجرم کی پشت برہنہ پر مارتے تھے۔ اگر کوئی سخت چور ہوتا تھا اور اقبال چوری کا نہ کرتا تو چھڑیوں سے مارنے کے بعد پشت پر سرخ مرچ کا پانی چھڑکواتے تھے اور مارتے تھے۔ اور مجرموں کو اپنے ہی علاقے کے قید خانے میں جب تک منظور ہوتا قید رکھتے تھے۔

فراست اس پایہ کی ان میں تھی کہ نگاہ ملتے ہی چور کو پہچان لیتے تھے چنانچہ یہ نقل قدیموں سے سنی ہوئی مشہور ہے کہ ایک روز کوتوال موصوف کی سواری واپس آرہی تھی راہ میں ایک شخص اجنبی خوش لباس سے دوچار ہوتے ہی حکم دیا کہ اس کو لے چلو۔ جب اپنے مکان میں پہنچے اور شخص مذکور کو روبرو طلب کرکے

جان و مال سے ہو جاتے تھے۔ جب اس امر کا چرچا ہوا تو جتنے شرفائے محلّہ
اور نزدیک و دور کے احباب تھے فی الفور مسلّح ہو کر آ گئے اور خان موصوف سے
مل کر یہ رائے قایم کی کہ یہ جوانان کوتوالی جو آپ کو لے جانے آئے ہیں ان سے
لڑنا خلاف شان آپ کے ہے۔ بہتر یہ ہے کہ چلیں وہیں جس نے طلب کیا ہے
اسی کو دیکھ لیں۔ چنانچہ اسی ارادہ سے چالیس پچاس شرفائے مسلّح خان موصوف
سے ہمرکب نکلے۔ جوانان کوتوالی اطراف ہو گئے اور چلے۔ منجملہ احباب خاں موصوف
میر روشن علی خاں شاہ سوار مشہور روزگار استادِ نواب صاحب مغفور کو جو یہ خبر
ملی فی الفور اپنے گھر سے سوار راہوار ہو کر چشم زدن میں طالب الدولہ کوتوال
کے پاس پہنچ گئے۔ چونکہ کوتوال صاحب سے رابطہ قدیم تھا کہا کہ آپ نے یہ کس کو
گرفتار کر لانے کا حکم دیا ہے۔ یہ کیا کیا آپ نے میر رضا علی خاں خاندانی رکن الدّولہ
مرحوم حسب الطلب آپ کے چلے آ رہے ہیں اور ہمراہ ان کے بہت سے شرفا مسلّح
ہیں۔ برائے خدا اپنے سپاہیوں کو واپس طلب کر لو۔ یہ سن کر کوتوال صاحب نے
ہرکاروں کو اشارہ کیا ہرکاروں نے کوتوالی کے جوانوں کو آگاہ کرتے ہی سب علیحدہ
ہو کر غائب ہو گئے۔ جب چار مینار کے پاس پہنچے اور کوتوالی والوں کا گرد و پیش
پتہ نہ رہا تو خان موصوف سے رفقا نے کہا کہ اب چلنا مناسب نہیں کیونکہ اگر کوتوال
کہے کہ میں نے آپ کو طلب نہیں کیا تو اس وقت آپ کیا کہیں گے۔ بہرحال فہمائش
کر کے خان موصوف کو واپس لائے۔ اس کے دوسرے روز کوتوال طالب الدولہ بہادر

لیکن بعض بزرگان و احباب کا اصرار ہے کہ جب شرفائے زمانہ حال بغیر کسی ممانعت کے از خود ترک شمشیر کئے جا رہے ہیں تو فن شمشیر کی قدر کب باقی رہے گی۔ اور جب قدر نہ ہوگی تو نہ کوئی استاد ہوگا نہ کسی کو اپنا جانشین کرے گا۔ لہٰذا جلسہ جانشینی متذکرہ کی تصویر بطور یادگار کھینچ دینی مناسب ہے تاکہ آیندہ زمانے کے شرفا معلوم کریں کہ سابق زمانے میں اس فن شریف کی ایسی قدر و منزلت تھی۔ اور عذر تفاخر کا یہ جواب ہے کہ جس کو بفضلہ جلسہ موصوف کے گواہان معتبر و معظم سلمہم اللہ تعالےٰ میسر ہوں تو وہ اپنے دعوے سے بالکل کیوں دست بردار ہو۔ اور جس کو یہ کرم مولیٰ ایک ایسے فن شریف میں کمال حاصل ہو تو اس کو چھپا کر کس لئے کفران نعمت کا الزام لے۔

پس بلحاظ المامور معذور مولّف نے فرمائش بزرگان کو قبول کیا مگر جملہ معترضہ میں حد سے زیادہ طول نہ ہو اس لیے امتثال امر کو اختتام اصل واقعہ کے بعد رکھا۔

الحاصل ایک ہندو کوجو کہ نایک علاقہ کوتوالی کا تھا بسبب بیہودہ کلامی کے خان موصوف نے تنبیہ کی تھی۔ اس نے جاکر کوتوال صاحب سے کچھ ایسی اشتعالک کے ساتھ استغاثہ کیا کہ کوتوال صاحب نے بے تحاشا خان موصوف کو گرفتار کر لانے کا حکم دیا اور جمعیت کوتوالی کی آگئی۔ اس زمانے کے شرفا میں یہ صفت تھی کہ اپنے دوست پر کوئی آفت آجاتی تو سب اس کے حامی و شریک حال

لغظ لذیذ نہ صرف تکلفانہ عرض کیا گیا ہے بلکہ واقعتاً کیونکہ مرزا غلام سجاد صاحب اَشہر
اور نواب انوار جنگ بہادر داروغہ باورچیخانہ شاہی جو شاگردان قدیم والد استاد موصوف
کے تھے۔ ان ہر دو بزرگوں کے پاس جو جو اغذیہ نمکین و شیرین بطور خاص عمدہ تیار ہوتے
تھے وہ ان کے پاس سے تیار ہو کر آئے اور نواب صاحب ممدوح مکین نے خاص
اپنے باورچیخانہ میں بھی تیار فرمائے تھے۔ الغرض بعد تناول طعام مسند بچھائی گئی
اور حسب الحکم استاد صاحب مولّف مسند پر بیٹھا۔ استاد صاحب نے پھولوں کے
دو ہار پہلے اپنے گلے میں حمائل فرمائے بعد ازاں دو ہار مولّف کے گلے میں ڈالے
اور ایک تمغہ نقرئی جو کہ **طوق مرتضیٰ علیؑ** کہلاتا ہے پہنایا۔ اس تمغہ کی وضع یہ ہے کہ
ایک ہلال نقرئی اس کے دونوں گوشوں میں کنڈے اور ان میں زنجیر بقدر دو دو بالشت
طول۔ اس ہلال پر مولّف کا نام مع سنہ ۱۳۰۱ھ کندہ کیا ہوا۔ دوسرے سرے زنجیروں کے
ایک مختصر مدور تقطیع نقرئی کے کنڈوں میں لگے ہوئے اس تقطیع پر **یا علیؑ مدد** کندہ
کیا ہوا اور وہ تقطیع گردن پر رہتی ہے۔ الحاصل تمغہ موصوف پہنانے کے بعد استاد صاحب
نے بآواز بلند فرمایا کہ میرا لڑکا صغیر السن ہونے کی وجہ سے میں نے انہیں اپنا جانشین کیا ہے
اور جو کچھ فن نبوٹ کا کمال ہے وہ سب انہیں بتلا دیا ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد میرے
فرزند کو یہ میری امانت سپرد کر دیں گے۔ آج سے جو صاحب فن کے طالب ہوں وہ ان سے
سیکھیں اور جو کچھ حاصل کرنا ہو ان سے حاصل کریں۔ بعد ازاں مسند سے اٹھ کر مولف نے
حضرت استاد کو اور نواب صاحب ممدوح کو حسب استطاعت مولف نے نذر دی اور حسب الحکم حضرت استاد

خاں موصوف کے گھر آئے اور معذرت کی۔ چونکہ خلاف بیان سے بانی اس فساد کا ہوا تھا اس کو خاں موصوف کے روبرو حاضر کیا کہ آپ اس کو جو چاہیں سزا دیں۔
کیفیت جلسہ نشینی و خلافت واضح ہو کہ جب جناب استاد محمد وزارت علی صاحب مرحوم کی علالت نے طول کھینچا اور صحت سے ناامیدی ہونے لگی تو نواب خانخاناں بہادر نے حسب رضائے استاد صاحب موصوف اپنے دولت سرا میں تقریب جانشینی کا سامان مہیا فرمایا یعنی بتقرر تاریخ سیزدھم ماہ رجب ۱۳۰۷ھ جو تاریخ میلاد شریف صاحب ذوالفقار حیدر کرار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے دعوت کے رقعے منجانب استاد صاحب تقسیم ہوئے اور بتاریخ معینہ نواب صاحب ممدوح نے اپنی خاص پنس روانہ فرمائی۔ استاد صاحب اس میں سوار ہوکر اپنے مکان سے جو قریب ہی واقع تھا چلے ہیں تو چند شاگرد ان خاص جن میں مولف بھی تھا پنس کو تھامے ہوئے آہستہ آہستہ دولت سرائے نواب صاحب ممدوح میں پہنچے۔ اور جملہ مہمانان معززین علاوہ نواب صاحب ممدوح اور ان کے نورچشم نواب شجاع الملک بہادر کے کہ وہ خود مکین تھے نواب رکن الملک خان دوران بہادر مع برادرزادہ نواب فطرت جنگ بہادر۔ اور نواب بہرام الدولہ بہادر۔ نواب انوار جنگ بہادر وغیرہ امراء و شرفا بہت سے شاگرد و غیر شاگرد رونق بخش جلسہ موصوف تھے۔ نواب فخر الملک بہادر معین المہام عدالت و امور عامہ سرکار عالی بھی رونق افزائے جلسہ مذکور ہونے والے تھے کسی سبب سے نہ ہوسکے۔ دسترخوان وسیع با اغذیہ لذیذ چنا گیا۔

تبائید شاہنشہ ذوالفقار | جو تھی دل کی بر آئی وہ آرزو
وزارت علی کا ہوا جانشیں | یہی آج یاروں میں ہے گفتگو
غلامی استاد ذی قدر کا | تا ایں ہے تمغہ بصد آبرو
کہا مصرع سال ناجی نے یہ | غلامی کا ہے طوق زیب گلو

اس کے بعد جملہ معززین جلسہ کی خدمت میں پھولوں کے ہار اور عطر مع پاندان پیش کش ہوئے اور عزا تہنیت سے مولف ناچیز کو معزز فرما کر رخصت ہوئے۔

سنا گیا ہے کہ مرزا عباس مرثیہ خوان کے غلام نے کسی سے مذہبی بحث میں سخت کلامی کی تھی بنا برآں ۱۲۶۴ھ میں بازاریاں اوباش و مفسدان بدمعاش نے جن کا مقصود اصل غارتگری تھا بظاہر مذہبی جوش و بباطن فکر نائے و نوش دین دین کہتے ہوئے امامیہ مذہب والوں پر حملہ کرنے کا سامان کیا اور مکہ مسجد میں جمع ہونے لگے۔ سامان کرنے سے مراد یہ کہ دشنام وغیرہ لکھ کر مشائخین و علمائے کاملین کے پاس منجانب فرقہ شیعہ روانہ کئے اور مسجدوں کے دروازوں پر لگائے پھر آپ ہی علما و مشائخین کی خدمت میں جا کر شکایت کی کہ اب یہ نوبت پہنچی ہے کہ رافضی لوگ ایسی تحریرات مسجدوں پر لگا رہے ہیں لہذا اب ہم سے صبر ہو نہیں سکتا آپ بھی چلیں اور فتویٰ جہاد کا دیں تا آنکہ مجبوراً علما و مشائخین کو مکہ مسجد میں جانا اور شریک عوام الناس ہونا پڑا۔ مگر علمائے اسلام خلاف ارشاد باری۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی۔ ہرگز فتویٰ نہ دیتے ہوں گے کہ ایک شخص مجرم ہو تو اس کے تمام فرقہ

پھر مسند پر بیٹھا۔ حضرت نے بآواز بلند ارشاد فرمایا کہ جو خاص میرے شاگرد ہیں اس وقت انھیں نذر دیں۔ اور بطور اتمام حجت یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کے پاس روپے موجود نہ ہوں تو مجھ سے مبادلہ لیں۔ بمجرد ارشاد حضرت جملہ شاگردوں نے مولف کو نذریں دیں مگر دو تین پیر بھائی صاحبوں کے نفس نے گوارہ نہ کیا اور اپنے مقام سے انہیں ہلنے نہ دیا عدول حکمی و ملال خاطر حضرت استاد کو قبول کر لیا۔

مقام غور ہے کہ اس خلافت میں کوئی حکومت و ثروت نہ تھی باوصف اس کے بعض نفوس سے ضبط نہ ہو سکا اور حسد باطنی کو ظاہر کر دیا۔ الحاصل نذریں ہونے کے بعد قطعہ بند تاریخ جو استادی جناب مولوی سید اصغر حسین صاحب قبلہ ناجیؔ مرحوم نے اسی وقت نظم فرمایا تھا اور شاگرد استادین موصوفین میر مومن علی صاحب نورؔ نے روبروے مسند استادہ ہو کر بآواز بلند پڑھا قطعہ بند مذکور یہ ہے۔

خوشا ماہ مولود شیر خدا | زہے روز میلاد شاہ نکو
جناب محمد وزارت علی | ہیں یاں زیب محفل بصد آبرو
چمن خان خاناں کا ہے آج قصر | خوشی سے ہے ہر غنچہ لب خندہ رو
غذائے لطیف اور وہ آب سرد | وہ حقّے وہ پان اور پھولوں کی بو
جو دانش ہے شاگرد اُن کا رشید | وہ مشہور عالم میں ہے چار سو
بنوٹ اور دوانگ میں ہے کامل ہوا | بڑا ذی طبیعت ہے یہ نیک خو
جو ہے دوست اس کا رہے شاد مال | ہمیشہ رہے خوار اس کا عدو

الغرض مدار المہامی سراج الملک بہادر کا زمانہ تھا۔ کوتوال طالب الدولہ بہادر نے ابتدائً مدار المہام بہادر سے عرض کی کہ اس وقت اجازت ہو تو ان مفسدوں کو جو مکہ مسجد میں جمع ہوئے ہیں باندھ لاتا ہوں مگر مدار المہام بہادر نے اجازت دینے میں دیر کی۔ کشش و پنج میں رہے جب کہ عرصہ کے بعد اجازت دی تو کوتوال نے عرض کیا۔ اب ممکن نہیں کیونکہ وہاں مجمع کثیر ہو گیا ہے۔ فی الفور یہ کام کرنے کا تھا ؎

سرِ چشمہ شاید گرفتن بمیل ٭ چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

اعلیٰحضرت نے بھی یقیناً حکم امتناعی جاری فرمایا ہو گا کیونکہ اپنے جان نثاروں کی باہم خونریزی و بربادی جس کا اثر سلطنت پر پڑتا ہو کس طرح گوارا فرماتے تھے۔ لیکن بلوائی عوام الناس کب مانتے تھے۔ الحاصل مکہ مسجد کے داروغہ کے فرزند معروف بہ سنی صاحب کو بجرم تشیع اسی مسجد میں پہلے ذبح کر ڈالا اور سر کو ان کے دروازہ مسجد میں آویزاں کیا۔ پھر دین دین کہتے ہوئے شاہ علی بنڈہ پر جا کر مرزا عباس مرثیہ خوان ملازم مہاراجہ چندو لعل بہادر کو مع چند اسموں کے جو ان کے گھر میں موجود تھے قتل کر ڈالا اور گھر کو لوٹ لیا۔ وہاں سے مغلپورہ اور سلطان شاہی کی جانب اس ہنگامے نے رخ کیا۔ وہاں جا کر چند شیعوں کے مکان لوٹے مکینوں کو قتل کیا۔ بعض شیعوں کو اہل ہمسایہ نے باوجود سنت وجماعت ہونے کے پناہ دی۔ جانوں سے بچ گئے مگر گھر لوٹے گئے۔ چنانچہ مولف کے خسر میر عباس علی

کلمہ گو کو قتل کرنا اور ان کے گھروں کو لوٹ لینا اور آگ لگا دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے علمائے کاملین کا اگر بس چلتا تو فقط اسی کو سزا دیتے جس سے کہ جرم وقوع میں آنا ثابت ہوتا مگر وہ بزرگوار لوگ کیا کر سکتے تھے ۔ اس روز تو زور و شور عوام الناس کا تھا جن میں رہیلے بھی شریک تھے یہ سب غارتگری کے شوق میں از خود رفتہ تھے اور اس کی شہرت تمام بلدہ میں ہو گئی تھی ۔

برادر فرخندہ یار جنگ مرحوم یعنی امام الدین خاں مرحوم جو مشاہیر و معززین اہل سنت والجماعت سے تھے عالم حیات میں ایک روز ایک محفل میں کہ مولف بھی حاضر تھا بر سبیل ذکر ہنگامۂ مذکور کا حال بیان فرماتے تھے کہ جب میں جوان تھا ہنگامہ مذکور کی خبر سن کر مع ایک دوست چونکہ پیادہ پا نتھار و مال سے ڈھاٹا باندھا ہوا بغرض تماشا مکہ مسجد میں گیا ۔ دیکھا کہ عوام الناس مسلح جمع ہو رہے ہیں ۔ نیز روہیلے ایک بڑا جھنڈا لیے ہوئے مستعد ہیں ۔ میں نے ایک روہیلے سے پوچھا خاں صاحب رافضیوں کو مارنے جاتے ہو مگر رافضیوں کو پہچانو گے کس علامت سے تو بیساختہ جواب دیا کہ جس کے منہ پر ڈاڑھی نہ ہوگی اس کو رافضی جانیں گے ۔

امام الدین خاں موصوف کہتے تھے کہ یہ سنتے ہی میرے ہوش اڑے اور میں نے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور ہم دونوں وہاں سے ہوا ہو گئے کیونکہ بسبب شباب کے ہماری بھی ڈاڑھیاں اس وقت صاف تھیں ایسا نہ ہو کہ پہلے یہیں ہم پر ہاتھ صاف کریں ۔

سید اصغر حسین صاحب مرحوم بیان فرماتے کہ میری عمر اس وقت دس برس کی تھی مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس ہنگامہ و شورش کی خبر سن کر میرے والد مرحوم اور میرے برادر کلاں میر قربان علی صاحب مرحوم اور میر احمد حسین صاحب مرحوم پریشان ہوئے گو نظام رزیڈنسی تھا مگر اس زمانے میں رزیڈنسی کا ایسا بند و بست و تسلط نہ تھا اور بلدہ کی کوتوالی جیسی تھی معلوم۔ چونکہ وہ تاریخ مجلس فاتحہ سوم کی تھی یعنی ۱۲ محرم حسب معمول چند احباب ساکنان بلدہ مجلس میں شریک ہونے کی غرض سے آئے ہوئے تھے مگر وہ اس زمانے کے شرفا تھے ان کی شرافت نے اجازت نہ دی کہ ایسے عالم پریشانی اور آنے والی آفت میں دیدہ و دانستہ اپنے دوستوں کو چھوڑ دے کر چلے جائیں۔ بعد فراغ مجلس میرے والد مرحوم مع احباب جن میں نواب رضا علی خاں خاندانی رکن الدولہ مرحوم بھی جو کہ نہایت لائق اور فن شمشیر و تفنگ اندازی میں ہمعصر پر فائق تھے جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے موجود تھے۔ بیرون دروازہ مکان ایک چبوترہ تھا اس پر نکل کر بیٹھے ہوئے تھے کہ دیکھیں آج تقدیر میں کیا ہے۔ اس اثنا میں بازار علی بہار کی طرف سے مفسدوں کا مجمع آیا۔ ان میں سے دو نفر آگے بڑھے اور نواب صاحب موصوف پر خطاب کیا کہ بول دم چار یار نواب نے کہا یہ کیا بدمعاشی و ہنگامہ آرائی ہے۔ یہ سنتے ہی ان دو میں سے ایک نے بندوق اٹھاکر نواب کو گولی مار ہی دی۔ نواب کے پاس بھی بندوق تیار رکھی ہوئی تھی فی الفور فیر کر دی جس کی گولی نے دونوں کو جو ایک کے عقب میں ایک تھا چھید ڈالا۔

منصبدار مرحوم مع متعلقین کو ہمسایہ کا ایک شخص لعل خاں نامی نے اپنے مکان میں
پناہ دی مگر اثاث البیت تمام لٹ گیا۔ لٹیروں کی یہ حالت تھی کہ ایک مرغ خانگی
پر دو آدمیوں نے ہاتھ ڈالے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک پاؤں مرغ کا آیا
تاآنکہ زندہ مرغ کے دو ٹکڑے ہوگئے معاذ اللہ۔ اسی محلہ میں دو بھائی معروف
بہ منجھلے آغا اور بڑے آغا ایک ہی مکان میں تھے وہ دونوں شمشیر بکف باہر نکل آئے
اور داد مردانگی دے کر مقتول ہوگئے۔ ہنوز زبان زد قدما ہے کہ وہ دونوں بھائی
جب حملہ کرتے تھے تو میدان ہو جاتا تھا۔ فراریوں کے جوتے پاؤں سے چھوٹے ہوئے
نظر آتے تھے الغرض، وہاں سے فارغ ہو کر سراج الملک بہادر کی ڈیوڑھی کی جانب
دین دین کہتا ہوا بلوائیوں کا مجمع گیا۔ مگر وہاں غالب جنگ بہادر جمعدار کے عرب
بغرض حفاظت بالاخانوں پر موجود تھے۔ جب وہ بلوائی زد میں گولی کی آئے تو
عربوں نے بندوقیں سیدھی کر کے آواز دی کہ دین دین شاہ علی بنڈہ یہاں نہیں یہ
سراج الملک بہادر کا مکان ہے۔ یہ دیکھ کر وہ مجمع واپس ہو گیا۔ اسی سال
طالب الدولہ بہادر خدمت کوتوالی سے علیحدہ ہو گئے۔ اس کے دو برس بعد بتاریخ
۱۲ ماہ محرم ۱۲۶۶ھ میں باغواد اشتعالک حکیم تاج الدین ساکن قطبی گوڑہ جو
سخت متعصب شخص تھا اطراف وجوانب رز یڈنسی کے اوباش نے مجتمع ہو کر
میر صلابت علی صاحب، نائب خانی مرحوم کے مکان واقع رز یڈنسی پر حملہ کیا۔
وہاں سوائے میر موصوف کے اور کسی شیعہ کا مکان نہ تھا۔ میر موصوف کے فرزند

الغرض ہمارے حق میں اس روز معرکہ کربلا کا نمونہ تھا۔ بعد ان تمام ظلموں کے کوتوال محمد وزیر نے بہ انتظام و انصاف کیا یعنی قرآن شریف بیچ میں لاکر اور قسم کھاکر کہا کہ اب کوئی تمھیں اذیت نہ دے گا تم لوگ ہتیار اپنے دے دو۔ مگر قسم کا مطلق لحاظ نہ رکھا۔ بمجرد ہتیار لے لینے کے تلواروں سے اور تمنچوں سے مارے جس کے سبب سے میرے برادر میر قربان علی صاحب زخمی ہوئے۔ والد کو گولی لگی۔ ارادت علی خاں فرزند عالم علی خاں کے مارے گئے۔ چند احباب بقیت السیف یعنے میر علی حسین طوبی اور نصر اللہ خاں وغیرہ کو اور میرے برادر صاحب مجروح شدہ کو کوتوال صاحب گرفتار کرکے لے گئے اور قید کیا۔ میر روشن علی خاں شاہ سوار جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے ان کو اور میرے والد کو گولی لگی تھی اس غدر پران دونوں صاحبوں کو جنید خاں اور چھاپا میاں پٹھان ڈاکٹر خانہ رزیڈنسی میں لے گئے ایسی مصیبت کے وقت والد کے چند احباب سنت والجماعت اور مہدوی پٹھان نہایت کام آئے یعنی جنید خاں اور چھاپا میاں مذکورین۔ بعدازاں محمد فخرالدین حیدر خزانچی رزیڈنت بہادر نے بھی ہم بال بچوں کو جو جسم کے لباس سے رہ گئے تھے ایک مکان میں لیجاکر رکھا اور خبرگیراں رہے۔ تمام ہوا بیان مولف کے استاد ناجی صاحب موصوف کا۔

المختصر جب زخمیوں نے صحت اور اسیروں نے رہائی بصد زحمت پائی تو میر صلابت علی صاحب مع فرزندان و عیال و اطفال بے خانماں و بے سروسامان کوہ شریف وغیرہ مقاموں پر دو ایک سال باہر رہے تاآنکہ سراج الملک بہادر نے

مولف کے استاد موصوف فرماتے تھے کہ جب یہ ہنگامہ محشر بنا شروع ہو گیا تو
میرے والد و برادران و احباب نواب مجروح کو لے کر باہر سے اندر یعنی دیوانخانے
میں آگئے اور دروازہ بند کر لیا گیا۔ پھر تو بلوائیوں نے مکان کو گھیر لیا۔ اس وقت
کے کوتوال بلدہ محمد وزیر جو بغرض رفع فساد بلدے سے آئے تھے ان کے آنے سے
اور ہنگامہ بڑھ گیا۔ یعنی کوتوال صاحب جو سوار فیل تھے بندوقوں کی آوازیں سن کر
چادر گھاٹ کے پل پر ٹھہر گئے اور ان کی ہمراہی جمعیت بھی شریک بلوائیاں ہو گئی
متصل مکان جو میرے والد کی بنوائی ہوئی مسجد ہے اس کی چھت پر مفسدین چڑھ کر
بندوقوں سے مارنے لگے سنگساری ہونے لگی۔ مولف کے استاد موصوف حضرت آغا جی
فرماتے تھے کہ اس وقت کی حالت بھولی نہیں جاتی۔ باہر وہ شور و غل دشمنوں کا۔
اندر بچے بالے حواس باختہ ہراساں واشک ریزاں۔ بام مسجد پر سے گولیاں جو
برس رہی ہیں تو زخمی گھوڑا ہمارا رسیاں تڑا کر صحن دیوان خانے میں دوڑ رہا تھا۔
نواب صاحب موصوف جو باہر سے گولی کھائے ہوئے آکر ایک نوجوان شاگرد کے
کے سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے ان کو دوبارہ مسجد پر سے گولی مارنا جس گولی سے
نواب و شاگرد دونوں کا خاتمہ بالخیر ہو جانا۔ خاکروب آنے کا علیحدہ دروازہ
جو عقب مکان واقع تھا اس میں سے بلوائیوں کی یورش زنانی مکان میں دفعتاً
زنانی مکان میں ہونے سے مستورات و اطفال کا مضطربانہ دیوان خانے میں
چلے آنا۔ اثاث البیت تمام لوٹا جانا۔ شریروں کا مکان کو آگ لگانا۔

وغیرہ راتوں کو تماشا گاہوں کے مجمعوں میں ایک دوسرے کو پا کر لڑ لیتے تھے خونریزیاں ہوتی تھیں۔ نیز ماہ شعبان کی پندرھویں شب کو چوک میں۔ بعدازاں صبح کو ملک پیٹ کے میدان میں جو بیرون دروازہ چادر گھاٹ واقع ہے بمقابلہ و مجادلۂ آتشبازی اکثر زخمی ہوتے تھے اور جل جاتے تھے خصوصاً تماشا بین۔ عرسیات اور میلوں میں زخمی ہونا مارا جانا لوازمات سے تھا۔ سو روپے ماہوار دار منصبدار یا بارہ سو روپے محاصل کے جاگیردار تک بھی اس زمانے میں سائس یا کہار یا خدمتگار وغیرہ کو چوری یا کسی بھی جرم پر باندھ کر حاکمانہ مارتے تھے اور قید رکھتے تھے۔ گویا گھر گھر حکومت تھی۔ جب چھوٹے معاش والوں کی یہ حالت تھی تو غور کر سکتے ہیں کہ بڑے بڑے اسٹیٹوں کی کیا کیفیت ہوگی یعنی پائیگاہ امیر کبیر بہادر۔ نواب صمصام الملک بہادر۔ وغیرہ مرشدزادے۔ عبداللہ بن علی۔ عمر بن عوض وغیرہ جمعداران عرب کے علاقہ کا کوئی عرب یا غیر بھی کسی کو قتل کر کے علانیہ ان کے علاقہ میں چلا جاتا تھا تو اس کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ کوتوالی بھی مانگے تو آسامی کو نہیں دیتے تھے۔

قدیم لوگ حالات سابق کو دیکھے ہوئے بعض ہنوز موجود ہیں کہ اکثر گلیوں میں اور کنارہ جات شہر میں اور بعض شاہراہوں پر بھی جہاں کہ ویرانہ پن ہوتا تھا اور لوگ کم چلتے تھے ویسے مقاموں پر شام کے وقت کوئی تنہا غیر مسلح آدمی مل گیا تو ہتیار سے ڈرا کر لباس وغیرہ لوٹ لیتے تھے۔ بفضلہ آبادی و کثرت مخلوق جس قدر کہ فی الحال ہے اس زمانے میں کہاں تھی۔ اس لئے بلدے میں اکثر مقامات دوپہر دن کو اور شام ہوتے ہی

میر صاحب موصوف کو پرینڈے پر پروانہ فرمایا اور قلعہ داری دی۔ مگر میر صاحب اس سے ناراض تھے اس لئے جلد استعفا دے دیا۔ اور والد نواب خانخاناں بہادر حال کے فخر الملک بہادر مغفور نے جو کہ سخاوکرم میں حاتم زماں تھے طلب فرماکر اپنی جاگیرات کا انتظام میر صاحب موصوف کے سپرد فرمایا۔ بعد ازاں بوجہ خوبی انتظام و شہرۂ دیانت داری اور بھی کئی امرا کی جاگیریں ان کی نگرانی میں آئیں۔ میر صاحب موصوف کی مظلومی و بے قصوری پر یہ امر دال ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں خداوندعالم نے انھیں اور ان کی اولاد کو سابق سے کہیں زیادہ عزت و ثروت عطا فرمائی۔

اس ہنگامے کے بعد یعنی ۱۴ ماہ صفر ۱۲۶۶ھ کو بسبب ابتری و بدنظمی کے محمد وزیر کوتوال معزول ہوا اور طالب الدولہ بہادر پھر بحال ہوئے۔ الحاصل پولیس کا کافی انتظام نہ ہونے سے شہر پشت اور بدمعاشوں کا بازار گرم تھا خصوصاً جو سپاہی منش ہتیار باندھنے والے اعلیٰ و ادنیٰ تھے اکثر اپنا انتقام آپ لے لیتے تھے۔ سرکار میں مستغیث نہیں ہوتے تھے اور دادرسی کے لائق عدالت کا انتظام بھی کہاں تھا۔ قرض خواہ اپنے مدیون کو سرراہ پکڑ لے کر اس کا لباس یا ہتیار وغیرہ جو چیز فی الجملہ قیمتی پاتا بکمال ذلت چھین لیتا تھا۔ یا کوئی معتبر ضمانت لے کر چھوڑ دیتا تھا۔ مگر یہ برتاؤ قرض خواہ اسی مدیون کے ساتھ کرتا تھا جس کو آپ سے کمزور پاتا تھا۔ ورنہ مار دھاڑ کی نوبت آکر مجروح و مقتول بھی ہوتے تھے۔ خانہ جنگیاں بارہ مہینے سیندخانوں میں۔ کسبیوں کے مکانوں پر اکثر کشت و خون ہوتا تھا۔ ماہ محرم میں اکھاڑے والے

اب ناٹ شاہ کی بارہ دری کہلاتا ہے وہاں اپنا ایک کلی بردار ہمیشہ کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ جب کبھی بہادر موصوف کی سواری وہاں پہنچتی تھی تو کلی بردار مذکور جو کہ سامان مہیا رکھتا تھا فی الفور چلم بدل دیتا تھا۔ جب بہادر موصوف مقتول و مرحوم ہوئے تو وہ کلی بردار فقیر ہو کر وہیں بیٹھ گیا اور ٹاٹ کا کرتا پہننے لگا اس لئے وہ ٹاٹ شاہ مشہور ہوا۔

الحاصل بسبب بدامنی راہ غیر ایام عرس میں بغرض زیارت و نذر و نیاز وغیرہ بلدے سے متوسطین لوگ جاتے تھے تو چند جوان کہیں سے پروانگی لے کر مع سواری ہائے مردانہ و زنانہ ایک دم مل کر جاتے تھے۔ جیسا کہ اب ایک ضعیفہ بھی تنہا جاتی آتی ہے۔ اس وقت مجال نہ تھی۔ اسی طرح بیرون بلدہ کے دوسرے جوانب کا بھی حال تھا۔

دروازۂ باغ لنگم پلّی کی بائیں جانب پختہ سڑک عہد مغفور میں بنی ہے ورنہ اس مقام پر ایک تالابچہ رہتا تھا۔ سوار و پیدل سب اسی پانی میں سے جاتے تھے۔ کبھی پانی زیادہ رہا تو رتھ کے اندر آجاتا تھا۔

کرورگری کا انتظام بھی عہد سابق میں اچھا نہ تھا۔ از روئے موازنہ ۱۲۸۰ھ ف مذکور یہ معلوم ہوا کہ اجناس وغیرہ کا محصول راہ داری تعلقات میں بھی لیتے تھے اور بلدے پر بھی محصول لیا جاتا تھا۔ جو تجارت کہ اندرون ملک سرکار عالی ہوتی تھی اس کے لئے تو نہایت تکلیفیں تھیں۔ محصول سایر تعلقات کا ہر حد بند تعلقہ میں اور سناجر کے علاقہ میں اور تعلقات دیوانی اور تعلقات جاگیرداران میں نیز کرورگری

سنسان معلوم ہوتے تھے اور وہ کمین گاہ بدمعاشوں کی تھی علیٰ ہذالقیاس بیرون بلدہ کی حالت بھی ویسی ہی تھی۔ چنانچہ بلدے سے کوہ شریف تک جو چار کوس یعنی آٹھ میل کی مسافت ہے تنہا آدمی بخوف رہزنی جا نہیں سکتا تھا۔ اگر گیا تو لوٹا جاتا تھا۔ یوں تو سراسر جنگل بغیر سڑک کے بنڈیوں کا راستہ تھا۔ اسی راہ سے رتھ۔ میانہ۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ بنڈی وغیرہ عرس شریف وغیرہ عرس میں آتے جاتے تھے۔ لیکن اس راہ میں خصوصاً دو مقام لوٹے جانے کے مشہور تھے۔ ایک باغ لنگم پلی اور مقطعۂ اختیار خاں کے درمیان۔ دوسرا مقام تاڑشاہ کی بارہ دری۔ یہ دو مقام کمین گاہ رہزنوں کی تھی۔

تاڑشاہ مذکور کی کیفیت مولف نے قدیم بزرگوں سے سنی ہے کہ مقام مذکور پر ایک فقیر رہتا تھا اس نے اپنے تمام جسم پر تاڑ کی رسی لپٹی تھی اس سبب سے اس کا نام تاڑشاہ مشہور ہوگیا تھا۔ ایک روز قضاء حاجت کے لئے وہ فقیر جنگل میں گیا تھا اتفاقاً پانی شدت سے برسا اور کسی درخت وغیرہ کا سہارا چھپنے کے واسطے نہ ملا فقیر کے ٹخنوں سے لے کر گردن تک تاڑ کی رسی جسم پر جو مدت سے لپٹی ہوئی تھی وہ تمام بھیگ کر دفعتاً اینٹھی۔ شاہ صاحب بیچارے کیا کر سکتے تھے اور جنگل میں کوئی مدد دینے والا بھی نہ تھا۔ خصوصاً سینہ و شکم کی رسی نے ایسا دبایا کہ شاہ صاحب کا دم نکل گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک روایت یہ ہے کہ رکن الدولہ بہادر اکثر کوہ شریف کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ حقہ کا ازبسکہ شوق تھا سواری میں بھی حقہ پیتے رہتے تھے لہذا جو مقام کہ

جملہ دروازوں پر شہر پناہ کے یہ ناجائز تحصیل موقوف ہونے کے لئے حکم محکم جاری فرمادیا۔جب سے وہ تحصیل بالکل موقوف ہوگئی۔

نیز جلانے کی لکڑیوں کی بنڈیاں جو باہر سے بلدے میں آتیں تو پہلے دربان شہر پناہ فی بنڈی ایک لکڑی بزور لیتا تھا۔بعدازاں کوتوالی کے جس ٹھانے پر گزر ہوتا یا کسی ایسے دروازے پر سے بنڈی گزرتی کہ جس پر پہرے کے جوان ہوتے تو ایک ایک لکڑی فی بنڈی لی جاتی تھی۔مؤلف نے بچشم خود دیکھا ہے کہ اگر بنڈی والا لکڑی دینے میں تامل کرتا تو ٹھانے کا جوان خود بڑھ کر بنڈی میں سے لکڑی کھینچ لیتا تھا۔علی ہذا القیاس کوئلوں کی یا چونہ وغیرہ کی بنڈی کوئی آجاتی تو اس پر بھی وہی جبر ہوتا تھا۔اور یہ جبر بلدے پر ہی منحصر نہ تھا بلکہ بیرون بلدہ بھی جاری تھا۔

زمانۂ سابق میں جو چلنی روپے کہلاتے اور رائج تھے وہ ایک قسم کے نہ تھے بلکہ اقسام کے اور مختلف مقامات کے بنے ہوئے تھے یعنے۔گدوالی۔سگور۔گرمٹکالی۔ارکاٹی۔دولت آبادی۔گوپال پیٹی۔امراوتی۔شہر چلنی زری ٹیکہ۔ذوالفقاری شمشیری۔نارائن پیٹی۔چاندوری۔ناگپوری۔اندوری بہادر شاہی۔شاہجہانی۔پیتن شاہی۔عالمگیری۔گوبند بخشی۔حالی کہنہ وغیرہ۔اس سے ظاہر ہے کہ ایک سرکار عالی میں کئی سکے رائج تھے حالانکہ یہ طریقہ خلاف دستور سلطنت تھا۔

بدلے میں بھی محصول لیا جاتا تھا۔ ہرچند خفیف وقلیل محصولات ہوں مگر ناگوار تھے اور سب کا حساب کریں تو محصول کی ایک بڑی مقدار ہو جاتی تھی چنانچہ اندازہ کیا گیا تھا تو رقم جملہ محصولات کی مال تجارت پر فی صدی پندرہ روپے ہوتی تھی الخ

اس سے ظاہر ہے کہ محصولات اس قدر اور راستے بے امن ہوں تو تجارت سوائے گھٹنے کے ترقی کیونکر کرتی۔ اور تجارت کے گھٹنے سے نقصان سرکار کیوں متصور نہ ہوتا۔ مغفور اول کے اوایل عہد دیوانی تک بھی یہ کیفیت تھی کہ سوائے امرائے ذی حشم کے دوسروں کی زنانی سواری میانہ ہو یا رتھ۔ شہر کے باہر جانا چاہتے یا باہر سے اندر آتی تو شہر پناہ کے دربان فی سواری چار آنے لئے بغیر جانے یا آنے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانے میں کہ مولف خورد سال تھا مولف کے والد مرحوم نے ارادہ کوہ شریف کا فرمایا تھا۔ زنانی سواریاں روانہ ہونے کے بعد والد مرحوم سرکاری پروانگی کے ہاتھی پر مع اطفال سوار ہو کر چلے۔ جب چادر گھاٹ کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا زنانی سواریاں رکی گئیں ہیں۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ فی میانہ از رتھ چار آنے لئے بغیر دربان جانے نہیں دیتا۔ اس وقت تو مجبوراً پیسے دیوا دئے مگر بعد واپسی مولف کے برادر کلاں میر اسد علی صاحب نے جو کتاب تھانہ علاقہ نواب صاحب مغفور کے مہتمم تھے جن کا حقیقی نبیرہ سید اعجاز حسین سلمہ ہو فی الحال اول مددگار معتمد مالگزاری سرکار عالی ہے نواب صاحب مغفور کی خدمت میں اس واقعہ کو مفصلاً عرض کر دیا۔ بمجرد سماعت فرمانے کے مغفور نے

اہل خدمات کے لئے اطبائے یونانی حاذق تھے مگر عام رعایا و مساکین کو علاج باقاعدہ سے سخت محرومی تھی۔ اکثر بیمار غربا عطائی دوا کھا لیتے تھے یا کسی نیم حکیم کے مطب سے جو کچھ دوا میسر ہوتی استعمال کرتے۔ اگر سرطان وغیرہ کوئی پھوڑا کسی کو نکلتا یا ہاتھ پاؤں شکستہ ہوتے تو عطائی تپے پالے باندھتے تھے یا ممکن ہوا تو جراح سے ملتجی ہوتے تھے زخمی کو ٹانکے بھی جراح دیتے تھے مگر اسی کہنہ سوزن سے جو ان کے پاس قدیم سے رہتی آئی ہے۔ اور پھوڑے کو چیرتے بھی تھے لیکن اسی زنگ خوردہ نشتر سے جو پشتینی ان کے پاس چلا آرہا ہے۔ مگر یونانی اطباء کی نسبت تو زمانہ سابق پر اس زمانے کو ترجیح دے نہیں سکتے ہیں۔ اس امر خاص میں البتہ یہ زمانہ گھٹا ہوا ہے۔ زمانہ سابق میں حکیم رضا علی خاں مولف یادگار رضائی۔ مسیح الدولہ۔ حکیم شفا یخاں۔ حکیم صفدر۔ حکیم میر جعفر علی۔ حکیم حر علی۔ وغیرہ اطبا نے حاذق و لائق تھے۔ اس زمانے میں ویسے طبیب کم یاب ہیں تحصیل علم طبابت کئے ہوئے باقاعدہ شاید کہ چند ہوں ورنہ اکثر بغیر قابلیت کے طبیب بن بیٹھے ہیں۔ اور مطب کی گرم بازاری و شہرت تو منحصر ہے عام مخلوق کو تیار دوا مفت دینے پر۔ سفوف، گولیاں، عرق رطب دیا بس بنا لے کر بیٹھ گئے بس مطب گرم ہو گیا اور اسی گرمی مطب نے طبیب صاحب کو مانند عرق کے پستی سے بلندی پر پہونچا دیا۔ چونکہ یہ زمانہ رواج ڈاکٹری و طبابت انگریزی کا ہے اس لئے سرکار عالی کو اس کی طرف چنداں اعتنا نہیں۔ برایں ہم کئی بار سرکاری حکم جاری ہونے کے چرچے ہوئے کہ جو بے سبب طبیب بن کر بیٹھے ہیں ان سے

گوبند بخشی کی نسبت بستان آصفیہ صفحہ (۶۳۵) میں مرقوم ہے کہ کسی زمانے میں برادر راجہ چندو لعل گوبند بخش کا ایسا زور تھا کہ حیدرآباد میں ان کے نام کا سکہ جاری ہوا اور ۱۲۲۷ھ سے ۱۲۳۵ھ تک دیکھا گیا ہے جس کو سکہ گوبند بخشی کہتے تھے۔

الغرض سکو راور گدوالی و حالی کہنہ وغیرہ عام طور پر بلدہ و تعلقات میں جو رائج تھے وہ کم عیار و کم وزن ہونے کی وجہ سے ان کا خوردہ کم آتا تھا۔ جس کے باعث بے برکتی ہوتی تھی۔ پہلے اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ چلنی روپیہ مشین سے بنتا نہ تھا بلکہ گھڑا جاتا تھا اور ٹھپا ہوتا تھا۔ اور صرافان بازار کا یہ چلن کہ اس روپے میں اقسام کے بٹے یعنی عیب لگاتے تھے۔ روپے کے کنارے میں ذری بھی ترک ہوتی تھی تو پھوٹا ہے کہہ کر مقررہ خوردہ میں دو تین پیسے کم دیتے تھے یا ذری لکیر اس کے سطح پر نظر آتی یا ذرا گڑھا ہوتا تو چکلہ ہے کہہ کر پانچ چھ پیسے بٹا لگاتے یا گونہ میلا پن ہوتا تو کرا ہے کہہ کر چار یا پانچ پیسے بٹا لیتے یا چمکدار ہوتا تو بھی کئی پیسے بٹے کے لیتے بلکہ خوردہ دینے کو بھی انکار کرتے تھے کہ یہ روپیہ چلتا ہے۔ جس پر تلوار کا نشان ہوتا تو اس کو شمشیری ہے کہہ کر خوردہ کم دیتے۔ جس کے حروف بسبب استعمال مٹے ہوئے ہوتے تو سلپٹ ہے کہہ کر واپس دیتے۔ الحاصل سکہ کی ایسی بدانتظامی کے سبب سے بھی رعایا کو نہایت پریشانی اور نقصان ہوتا تھا۔

زمانۂ سابق میں یہاں **طبابت** انگریزی کی تعلیم تھی نہ کوئی ڈاکٹر تھا۔ عہد دیوانی سراج الملک مرحوم میں مدرسہ طبی انگریزی رزیڈنسی میں ابتدائً قائم ہوا۔

نقص و عیب کو زمین ڈھانک لیتی ہے کسی پر کھلتا نہیں۔

تعلیم اطفال شرفائے کم استطاعت کے واسطے زمانہ سلطنتِ میں نہ سرکاری مدرسے تھے نہ تعلیم کا سامان کافی میسر ہوتا تھا اس لئے اکثر شرفا کم سواد تھے۔ محلّے بھر میں کوئی صاحب سواد ہوتا تھا تو سب اس کے محتاج رہتے تھے یعنی کوئی خط وغیرہ کی تحریر کی ضرورت ہوتی تو اس سے پڑھواتے تھے اور منت کرکے لکھواتے تھے۔ اطفال کو پڑھانے کے لئے استاد ذی علم و لائق میسر نہیں ہوتا تھا۔ اگر کوئی ذی علم نامور ہوتا تو وہ پڑھانے کی نوکری کو گوارا کرتا تھا نہ ہر ایک شریف کو مقدرت اس کے لائق ماہوار دینے کی تھی۔ بعض شوقین طالب علم اس کے مکان پر جا کر درس لیتے تھے۔ اس زمانے میں کوئی کتاب قلمی گلستان وغیرہ کسی کے پاس ہوتی تھی تو طالب علم اس کے بہزار منت و زحمت مالک کتاب کے مکان ہی پر بیٹھ کر اس کی نقل کر لیتے تھے۔ ازبسکہ کتابیں کم یاب تھیں مالک کتاب کا دل بطور مستعار بھی دینے کو نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانے میں مکتوب پڑھائے جاتے تھے یعنی لائق لوگوں کے فارسی خطوط و عرائض وغیرہ مختلف تحریرات قلمی جمع کرکے یکے بعد دیگرے ان سب کو جوڑ کر ایک طولانی طومار بنا تے تھے اور اس کو لپیٹ کر تولہ بنا رکھتے تھے۔ بعد ختم قرآن شریف ابتدائی کتابیں فارسی کی پڑھا کر وہ مکتوب پڑھاتے۔ اس کے پڑھانے سے یہ نفع بھی تھا کہ اقسام کے خطوط یعنی نستعلیق، شکستہ، شکستہ آمیز، شفیعہ، منقدیانہ، میرزائی نسخ، نستعلیق طبعی وغیرہ خطوط پڑھنے کی مہارت حاصل ہوتی تھی لیکن سوائے

امتحان لیا جائے گا کیوں کے ناقص طبیبوں سے بندگان خدا کے لئے خطرۂ جان ہے۔
حکم موصوف کی تعمیل تو نہ ہوئی مگر جو ایسے بے سند و ناکام اطبّا تھے وہ ہوشیار ہو کر
کسی بھی تدبیر و توسّل سے صاحب سند لامحالہ ہو گئے ہوں گے۔ اہل دنیا کو حصول
زر کے لئے صدہا ذرایع ہیں مگر یہ طریقہ طبیب بن جانے کا تو نہ اختیار کریں کہ یہ
بڑا نازک فن ہے۔ اس میں جانوں کی ذمہ داری ہے۔ خصوصاً طبیب غیر حاذق
و ناقابل ایسے قاتل ہیں کہ ان کی قتّالی ظاہر نہیں ہوتی ہے مگر عالم ستر و الخفیات سے
کیونکر چھپا سکتے ہیں۔ اس مقام پر ایک **حکایت** مناسب و دلچسپ یاد آ گئی ہے
ناظرین سے توقع ہے کہ نامناسب تصور نہ فرمائیں گے۔ وہ یہ کہ دو شخص باہم دوست
تھے ایک ان میں کا جو مصور تھا اس نے ہجرت اختیار کی۔ بعد ایک عرصے کے مصوّر
کا دوست بھی کسی ضرورت سے سفر کو نکلا۔ جب ایک ملک میں پہنچا تو وہاں ایک مقام
پر مجمع لوگوں کا پایا۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ کسی طبیب کا مطب ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر
حکیم صاحب پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہی دوست ہے جو اپنے شہر میں مصوّری کرتا تھا۔
اس کو تعجب ہوا کہ یہ طبیب کیونکر بن گیا ہے تا آنکہ بیماروں کا مجمع چلا گیا حکیم صاحب
تنہا رہ گئے اس وقت یہ دوست حکیم صاحب کے پاس گیا۔ صاحب سلامت و خیر و عافیت
کے بعد پوچھا کہ آپ تو وطن میں مصوّر تھے یہاں حکیم و طبیب کیسے بن گئے تو کہا اے یار
کیا کروں کیسی ہی محنت اٹھا کر میں کھینچتا تھا تو ناظرین ایک نہ ایک عیب اس میں
نکالتے تھے اس لئے تنگ آ کر مصوّری چھوڑ دی اور یہاں طبیب بن گیا ہوں کہ اس فن کے

سادہ و باافشاں نقرئی۔ اس کاغذ سرخ کا استعمال خوشی کی تقریبات میں ہوتا تھا۔ جلوس و سامان شادی کے مطلوبے اور استمداد مصارف شادی کی عرضیاں اسی سرخ کاغذ پر لکھ کر سرکاروں میں گزرانے جاتے تھے۔ اسم نویسی تحریر خواستگاری منجانب پسر اسی سرخ سادہ یا افشانی پر لکھ کر دختر والوں کے پاس بامید منظوری بھیجتے تھے۔ زیور وغیرہ اشیائے جہیز کی فہرست بھی اسی سرخ کاغذ پر لکھی جاتی تھی۔ دعوت شادی و بسم اللہ خوانی وغیرہ تقریبات کے رقعے اسی سرخ کاغذ پر لکھتے تھے۔ قدیم رقعوں کی وضع یہ تھی کہ سرخ کاغذ جس پر تحریر دعوت ہوتی تھی اس کو تہ کر کے اس پر شتربتی کاغذ قدرے طویل تہ بجائے لفافہ لپیٹ کر دونوں طرف کے گوشوں میں شکن ڈال لیتے تھے تاکہ اندر کا رقعہ نکل نہ سکے اور بیچ میں سرخ کاغذ کی پٹی تخمیناً ایک انچ عرض کی جس کو کمربند کہتے ہیں لپیٹ کر چسپاں کرتے تھے۔ سرخ کمربند سے معلوم ہو جاتا تھا کہ تقریب خوشی کا رقعہ ہے۔ اور سبز کمربند سے مجلس عزا کا یا دعوت نیازات وغیرہ کا۔ بعض اندر اور باہر کا مع کمربند جملہ کاغذ سرخ کے رقعے صاحب مقدرت کاغذ سرخ باافشاں کے رقعے تقریبات خوشی میں تقسیم کرتے تھے۔ ان قدیم رقعوں کی شکل یہ تھی۔

مگر حسب وسعت صفحہ بطور نمونہ یہ تصویریں چھوٹی چھوٹی بنائی گئی ہیں۔

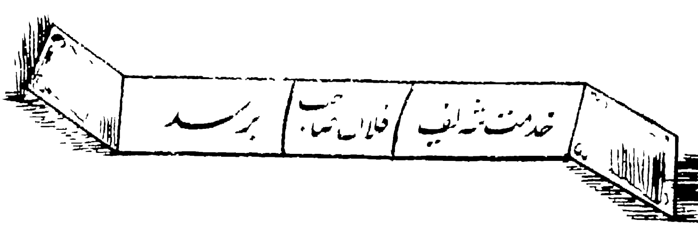

اس نفع کے اس کے رواج کا یہ بھی سبب تھا کہ کتابیں نایاب تھیں اور کاتب کم یاب لہذا کسی کتاب کی نقل کرنی بھی خالی از دقت نہ تھی۔ کاغذ اس وقت وہی دیسی تھے۔ قاسم بیگی۔ شربتی ادنیٰ و اعلیٰ۔ دولت آبادی ادنیٰ و اعلیٰ۔ شربتی ادنیٰ کے لیے روشنائی گاڑھی لازم ہے ورنہ پھیکی یعنی رقیق ہو تو حروف پھیل کر دوسری جانب بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ شربتی کاغذ باریک و مہرہ دار ہوتا ہے۔ اس کا شربتی نام اس لئے ہے کہ دیسی سفید شکر کے شربت کا سا رنگ اس میں ہوتا ہے۔ قاسم بیگی نہایت سفید قدرے مہرہ دار ہوتا ہے۔ دولت آبادی گو نہ شربتی رنگ ادنیٰ و اعلیٰ ہوتا ہے دبیز و مہرہ دار۔ یہ دیسی کاغذ پائدار ہوتے ہیں۔ پانی وغیرہ کا صدمہ نہ ہو تو صد ہا سال رہتے ہیں بوسیدہ نہیں ہوتے۔ مگر شربتی ادنیٰ اور قاسم بیگی کاغذ برس چھ مہینے ایک حال پر سرد مقام میں رکھا رہے اور ورق گردانی نہ ہو تو اس میں کیڑا پیدا ہو کر سوراخ ڈال دیتا ہے۔ یہ کاغذ ٹاٹ کے پارینہ ٹکڑوں سے اکثر بناتے ہیں اور ٹاٹ سن سے یعنی امباڑے کی چھال سے بنایا جاتا ہے۔ زمانۂ سابق میں جملہ دفاتر سرکاری وغیرہ تمام ملک میں یہی دیسی کاغذ مستعمل تھا۔ اسناد و احکام اسی کاغذ دولت آبادی وغیرہ پر لکھے جاتے تھے۔ ساہو کاروں کی بہیاں انہیں دیسی کاغذوں کی ہوتی تھیں اور ہنوز ہوتی ہیں۔ علاوہ پائیداری کے اس کاغذ میں یہ صفت بھی ہے کہ اس پر جو لکھا گیا پھر وہ مٹتا نہیں اگر کسی حرف کو چھیل کر بنائیں تو وہ صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ کاغذ بافشاں طلائی و نقرئی بھی ہوتا ہے اور سرخ بھی ہوتا ہے

قدیم زمانے میں خاص طور پر کشمیری کاغذ بھی مستعمل تھا مگر بسبب کم یاب و گراں قیمت ہونے کے استعمال اس کا عموماً نہ تھا۔ بعض شوقین پنجسورہ و ادعیہ وغیرہ کشمیری کاغذ پر خوشخط لکھواتے تھے۔ نگہداشت نہ ہو تو کشمیری کاغذ میں بھی بہت جلد کرم پیدا ہوتا ہے۔ مشق خط کے لئے کسی قسم کے کاغذ کو باہم وصل کرتے ہیں جس کا نام وصلی ہے۔ اس پر آہار ہوتا ہے اس لئے مہرہ کر کے لکھتے ہیں۔ چنانچہ خوشنویسوں میں اب بھی اس کا استعمال ہے۔

قدیم کاغذ کے ساتھ **روشنائی** کا بھی حال بیان کرنا چاہیے واضح ہو کہ سابق زمانے میں ابتداءً مشق خط کے لئے خطاطی کے شوقین چاول یا کتھہ کی روشنائی بناتے تھے جس میں گونہ سرخی ہوتی تھی۔ ورنہ کتابت خانگی دفاتر سرکاری وغیرہ جملہ ملک میں یہی روشنائی مستعمل تھی اس کے سوائے کوئی روشنائی کسی رنگ کی نہ تھی۔ اس سیاہی کا جزو اعظم کاجل ہے۔ باقی پھٹکڑی۔ ماجو۔ صمغ عربی وغیرہ۔ تحریر کتابت میں ابواب و فصول وغیرہ مخصوص کلمات شنجرف کی روشنائی سے لکھتے تھے چنانچہ اس زمانہ میں ویسے کلمات کو جلی قلم سے لکھتے ہیں اور اس کو سرخی کہتے ہیں۔ شنجرف کو لیمو وغیرہ سے صاف کرنے میں تو اس کی تیزی دور ہو کر نہایت سرخ خوش رنگ ہوتا ہے۔ اس سے جدول بھی کھینچتے تھے۔ بعض خوشنویس و خطاط شوقین جدول کشی و نقاشی کے لئے سفیدہ و لاجوردی و نیلگوں وغیرہ رنگ تیار کرتے تھے۔ سفیدہ سے سیاہ یا نیلگوں وغیرہ رنگین کاغذ پر لکھتے بھی تھے۔ سبز رنگ زنگار سے بناتے تھے جس کی

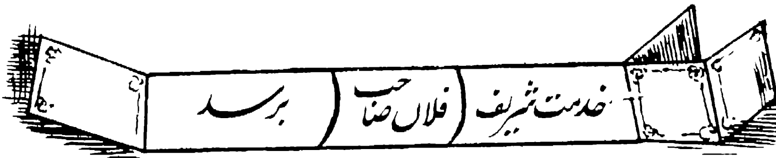

تقریب خوشی کے سوائے دیگر امور کے رقعے بھی ایسے ہی بغیر سرخ کاغذ کے ہوتے تھے۔ قدیم رقعہ کی جب شکل بتلائی گئی ہے تو لازم ہوا کہ اس کی طرز تحریر بھی ملاحظہ ناظرین میں آئے۔ یہ تو معلوم ہے کہ سابق میں تا عہد وزارت لائق علی خاں بہادر عماد السلطنت مرحوم یہاں جملہ تحریرات فارسی ہوتے تھے اور منجملہ تکلفات شادی یہ بھی تھا کہ رقعہ دعوت شادی با عبارات رنگین طولانی ہوتا تھا۔ یعنی حمد و نعت مقفا و مسجع و استعارات رنگین اور گل و بلبل و نشاط و انبساط و تہنیت بہاریہ فارسی سے تمام صفحہ جب بھرا تو۔ اما بعد بتاریخ ماہ روز تقریب نورچشم طول عمرہ مقرر۔ ترصد کہ بوقت رونق افزائے محفل نشاط شدہ داعی را ممنون و مبتہج خواہند فرمود زیادہ ایام شادمانی مدام بکام باد فقط المکلف

ایسے رقعہ کو ہر ایک تو پڑھ نہیں سکتا تھا لہذا عموماً صرف آخر کی ایک دو سطریں دیکھ لیتے تھے جن میں تاریخ و وقت وغیرہ دعوت مندرج رہتا تھا۔

اگر رقعہ مختصر بھی ہوتا تھا تو حمد و نعت مختصر کے بعد ذکر تقریب مع تاریخ و یوم و وقت و نام صاحب تقریب لکھ کر استدعائے شرکت بزم نشاط اور آخر میں ایام شادمانی بکام باد لکھنا لازمی تھا۔

نواب صاحب مغفور نے اپنے خواہر زادہ مکرم الدولہ بہادر کو اس مدرسہ میں داخل فرمایا۔ یہ دیکھ کر امرا و معززین اوّل تو متعجب ہوئے بعد ازاں رفتہ رفتہ منصبدار زادے وغیرہ داخل مدرسہ ہونے لگے۔ مولوی شیخ احمد صاحب و مولوی محمد صدیق صاحب یہ دو برادر جو بعد ازاں ترقی کر کے مخاطب بہ رفعت یار جنگ بہادر و عماد جنگ بہادر ہوئے اسی مدرسے کے طالب علم تھے۔

جب مکرم الدولہ بہادر شریک مدرسہ ہوئے تو مولوی شیخ احمد صاحب بہادر کو سبق یاد دلانے لگے اور رابطہ بہم پہنچایا اور وہ باعث ملازمت و ترقی صاحب موصوف کا ہوا۔ پھر بتدریج خطاب و عہدۂ جلیلۂ صوبہ داری سے سرفراز ہوئے۔

جدول سبز سرخ جدول کے ساتھ نہایت خوش نما ہوتی تھی۔ مگر زنگار کی جدول کاغذ کو کھا جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر قدیم کتابیں زنگاری جدول کی دیکھی گئیں ہیں کہ متن سے حاشیہ جدا ہوگیا ہے گویا کسی نے کاٹ دیا ہے۔

زمانۂ قدیم سے قلم بھی واسطی تھا جو فی الحال بھی بعض قدیم لوگوں کے پاس مستعمل ہے۔ ان قلموں میں بھی ادنیٰ و اعلیٰ ہوتے ہیں۔ عمدہ وہ جس میں سنگینی دسختی اور سیدھی ہو بلدار نہ ہو۔ رنگ اس کا سرخ مائل بہ سفیدی ہو۔ انہیں قلموں سے جلی بھی لکھتے تھے اور خفی بھی سوائے اس کے کوئی قلم نہ تھا۔

ہاں ایک قلم مانند جوار کے ڈنٹھلے کے موٹا اور سفید ہوتا ہے اس سے بعض اطفال ہندی تختی پر لکھتے تھے۔ تختی سا گوانی صاف ہوتی ہے اس پر کھڑی لگا کر سکھانے کے بعد استاد اس قلم مذکور سے جس کو برُو کا قلم کہتے ہیں بغیر سیاہی کے خالی مفردات وغیرہ جلی لکھ دیتے تھے۔ اطفال ہندی اسی قلم سے اُن حروف قلمی استاد پر سیاہی سے لکھتے تھے۔

ابتداءً نواب صاحب مغفور نے ایک مدرسہ موسوم بہ دار العلوم اپنے مکان سرراہ واقع نیم کٹی میں قایم فرمایا تھا کہ اطفال معززین و شرفا بلا فیس تعلیم عربی و فارسی و انگریزی پائیں اور جو لڑکا ایک حد معین تک پہنچتا تھا اس کو پانچ سات روپے ماہوار ترغیبی سرکار سے ملتی تھی۔ مگر چند غریب لوگوں کے کسی معزز نے اپنے فرزند کو نہ بھیجا۔ یعنی مدرسہ میں پڑھانا معیوب و کسر شان سمجھتے تھے۔ تا آں کہ

چنانچہ تصاویر شیر جنگ بہادر وغیرہ جنگ بہادر سے ظاہر ہے۔ ان پیچوں کو گوشہ پیچ کہتے تھے۔ بعض کی دستار و گوشہ پیچ سفید وغیرہ ہم رنگ بھی ہوتے تھے۔ بعض کی دستار و گوشہ پیچ ہر دو زرین ہوتے تھے۔ بہرحال اس زمانے میں گوشہ پیچ کا عموماً رواج تھا اور بعض صاحبوں کا قول ہے کہ یہ گوشہ پیچ بھی منجملہ عطایائے شاہی تھا لیکن مولف نے اس عہد کے عام و خاص جملہ تصاویر کی دستاروں پر گوشہ پیچ دیکھے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اس کا رواج ہی تھا۔ بہرحال اس گوشہ پیچ سے مقصود حفاظت دستار تھا کہ گھوڑے کی سواری وغیرہ کی تکان سے دستار گر نہ جائے کیونکہ وہ زمانہ اکثر جنگ وجدل کا تھا۔ نیز تصویر مذکور سے ہویدا ہے کہ اس زمانے کا لباس معززین قلم کاری یا شالی یا ہمرو وغیرہ کا مانند قبائے عربی جس کو قبائے حسنی کہتے ہیں تھا مگر گھیر دار۔ اس کا بر مانند جامے کے داہنا بائیں طرف اور بایاں داہنے جانب آتا تھا۔ آستینیں ایک دوخت کی جسم کے برابر۔ اس کے بند رنگین وغیرہ دراز گاؤدم آویزاں مانند بند جامہ کے ہوتے تھے۔ غالباً یہ قبا وہی ہے جو یہاں کے روسا بھی سابق میں پہنتے تھے اور اس کو دہتو کہتے تھے۔ کمر بناری وغیرہ زرین پٹکہ سے باندھی جاتی تھی جس کے دونوں سرے گرہ دینے کے بعد آویزاں رہتے تھے جیسا کہ نواب صاحب مغفور کے خاندان میں لباس درباری پر اب تک بھی اس کا رواج ہے۔ نیز اس زمانے کے تصاویر سے پیدا ہے کہ کمر میں کٹار یا قرول وغیرہ ضرور لگی رہتی تھی اور اس پر تلوار بھی ضرور رکھتے تھے۔ پاجامہ عموماً متروع

بیان لباس وغیرہ قدما و نواب صاحب مغفور

اس کو ناظرین غالباً بے ضرورت جانیں گے کیونکہ ہنوز وہ اوضاع قدما
بالکل مفقود نہیں ہوئے ہیں مگر جب بالکل نہ رہیں گے اور ڈھونڈے سے نہ ملیں گے
تو طبقۂ آیندہ کے لوگ ان اوضاع قدما کو جو مولف بیان کرنا چاہتا ہے غنیمت
جان کر بکمال اشتیاق دیکھیں گے۔ بیان مذکور اگرچہ انتظام سے تعلق نہیں رکھتا ہے
مگر زمانہ سابق کے حالات سے اور نواب صاحب مغفور سے تعلق رکھتا ہے اس لئے
ضمناً بیان کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ زمانہ عالمگیر بادشاہ کے رؤسا و امراے ہند کی تصاویر سے
جن میں شیر جنگ بہادر وغیور جنگ بہادر اجداد نواب صاحب مغفور بھی تھے
ظاہر ہے کہ بینی دستار کی اونچی یعنی ابھری ہوئی تھی اور دیوار بڑی۔ بوٹیدار پارچہ
کی دستار اکثر ہوتی تھی۔ بعض سفید بھی۔ وہ دستار سر پر رکھنے کے بعد چند پیچ علحدہ پارچہ
زرین تور وغیرہ اس دستار پر باندھتے تھے اور وہ پیچ بینی دستار کے اوپر سے یعنی بینی کو
نمایاں رکھ کر عقب گوش پر سے بعض نصف گوش و گردن پر سے کسے جاتے تھے اور
اس کا سرا بعض دستاروں کی بینی پر قایم ہو کر مانند گردن کے نمایاں رہتا تھا۔

کھڑکی دار۔ پیٹھا۔ شاہ نوازخانی۔ سبحان خانی۔ منصبداری۔ جوڑی دار وغیرہ ہر ایک امیر و شریف اپنے خاندان کی دستار سر پر رکھتا تھا اور اس دستار سے پہچانا جاتا تھا کہ فلاں خاندان کا ہے۔ دوسرے خاندان کی دستار سر پر رکھنا معیوب تھا۔

دستار بند کے ہاتھ سے دستار بہت کم بندھوائے تھے اکثر اپنے ہی ہاتھ سے باندھ لیتے تھے حتیٰ امرا بھی۔ اور یہ قول تھا کہ دستار بند کی محتاجی اچھی نہیں۔ اگر بروقت ضرورت دستار بند نہ ملے تو کیا ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر اب تک بھی دستور ہے کہ شادی میں عروس کے گھر سے نوشاہ کے واسطے دستار جو آتی تو اسکے ساتھ دستار باندھنے کا سامان بھی رہتا ہے یعنی نقرئی آئینہ۔ سلائی کٹوری کنگھی تاپانی کے لئے ضرور ہوتی ہے۔

سلائی مانند چھری کے چپٹی ہوتی ہے اس سے دستار کے پیچ صاف کرتے ہیں۔

مولّف کو خوب یاد ہے کہ تقریباً ۱۲۹۵ھ کے قبل بعض اہل ہند نے جو ہم محلہ مولّف تھے دستار بند سے لکھنوی جو گوشہ ٹوپی کے مانند اونچی دستار بندھوائی اس کو دیکھ کر دوسرے بھی ویسی ہی بندھوانے لگے تا آنکہ نیر الملک بہادر ثالث معین المہام مرحوم فرزند خورد نواب صاحب غفور نے ایک طرز نکالی یعنی سطح دستار کو قدرے پست کر کے پیچ کو مانند محراب کے بلند قرار دیا اور دیوار پس گردن اس قدر بڑھائی کہ نصف گردن اس میں پوشیدہ ہوئی۔ اس طرز کا بھی رواج ہوا اور نام اس کا معین المہامی دستار قرار پایا ورنہ معین المہام موصوف کی دستار بھی ابتداءً مانند دستار عماد السلطنۃ تھی۔

وغیرہ کے رنگین ہوتے تھے۔ مولف نے صغیر سنی میں ایک بزرگ میر اصغر علی نامی کو جو سید تھے سپاہی ملازمات بارہ میں کے تھے دیکھا ہے اور خوب یاد ہے کہ وہ سبز مشروع کا پاجامہ پہنتے تھے۔ زمرۂ امتیاز یان نظم جمعیت میں ملازم اور اسی محلّہ دارالشفاء میں مقیم تھے ان کے فرزند معروف بہ مہدی صاحب گریباں چاک دس بارہ سال کے قبل تک زندہ تھے۔

الحاصل زمانہ مذکور بالا میں یعنی عہد عالمگیر بادشاہ میں ادنیٰ لوگ بھی سلائیدار چھینٹ وغیرہ کے رنگین پاجامے پہنتے تھے جوتی عموماً بغیر ایڑی کے لوضع سلیپر زمانۂ حال مستعمل تھے۔

فی الحال نواب صاحب مغفور کی خاندانی **دستار** جو کھڑکی دار کہلاتی ہے ہمیشہ سفید ہوتی تھی مگر اتفاقاً کبھی اپنے ولی نعمت کی تقاریب خوشی میں گلابی وغیرہ دستار سر پر رکھتے تھے۔ مانند اپنے چچا سراج الملک مرحوم کے نواب صاحب مغفور بھی اپنی دستار آپ باندھ لیتے تھے بغیر کلف کے خشک دستار ہوتی تھی۔ پانی سے بھگوتے نہ تھے جیسا کہ دستار باندھنے والوں کا عموماً دستور ہے۔ اسی وجہ سے مغفور کی دستار سر سے اتارتے ہی ٹوٹ جاتی تھی۔ اور ہر وقت ضرورت مجدداً دستار باندھنا پڑتا تھا۔

بنی اس کی حسب دستور قدیم ہوتی تھی مگر دیوار زیادہ بلند نہیں چنانچہ مغفور کی تصویروں سے ظاہر ہے۔ نیز عماد السلطنتہ مرحوم کی تصویر سے پیدا ہے کہ ان کی دستار بھی ویسی ہی تھی جیسی کہ اونچی بنی کی عموماً مروجہ فی الحال ہوئی ہے ایسی نہ تھی۔

زمانۂ سابق میں اہل حیدرآباد دکن کی دستاریں انواع و اقسام کی تھیں

کی خاندانی دستار پر بھی کلابتونی توڑا لپٹا جاتا ہے بطور چوخانہ۔ چونکہ بہادر موصوف نواب صاحب مغفور سے پشتنی توسل خاص رکھتے ہیں لہذا لابد ہے کہ تھوڑا سا حال بہادر موصوف کا بھی بقدر علم بیان کیا جائے۔ واضح ہو کہ نواب سرِ افسر جنگ بہادر کے پردادا یعنی میر چراغ علی خاں مرحوم منصب دار و معززین ریاست سے اور وابستۂ خاندان نواب صاحب مغفور تھے۔ دستور خاندان مغفور یہ رہا ہے کہ جب کوئی فرزند متولد ہو تو اس کو پہلے پہل کسی عابد و زاہدہ بیدانی کا دودھ تبرکاً تیمناً پلایا جاتا ہے جس وقت نواب صاحب مغفور متولد ہوئے تو بناءً علیہ میر چراغ علی خاں موصوف کی بیوی کا دودھ جو انہیں صفات سے متصفہ تھیں پہلے پہل پلایا گیا فلہذا توسل خان موصوف کا اس خاندان عالی سے بڑھ گیا اور مستوجب مزید عنایات ہو گئے چنانچہ فرزند میر چراغ علی خاں کے میر تہور علی خاں مختار جنگ جلال الدولہ مرحوم جو ہمشیر برادر رضائی نواب صاحب مغفور کے تھے جن کا سنہ ولادت پنجم صفر ۱۲۴۴ھ تھا باہم پرورش ہوئے اور نواب صاحب مغفور کے کوکا کہلانے لگے اور ان کے امور پرورش و عیدین منت مرادیں شادی بیاہ وغیرہ جملہ ابواب کی کفیل بھی سرکار فیض آثار رہی۔ جب سنِ شعور کو پہنچے نواب صاحب مغفور نے معاش منصب سے سرفراز اور شاہی فیل خانے کی داروغگی سے ممتاز فرمایا۔ دربار و دعوت تقاریب و سفر و حضر میں اپنی ہمراہی کا افتخار بخشا۔ ۱۳۰۱ھ میں خطاب مختار جنگ اور ۱۳۱۰ھ میں جلال الدولہ بہادر پایا اور بتاریخ ۴ محرم ۱۳۱۹ھ

المختصر رفتہ رفتہ تمام حیدرآباد میں کیا اعلیٰ و کیا اوسط و کیا ادنیٰ اور ہر خاندان میں اونچی دستار کا رواج ہوگیا۔ وضع قدیم پر نہ رہی۔ اصل یہ ہے کہ اونچی دستار یا اونچی ٹوپی یا بڑا شملہ سر پر رکھنے کے بعد چھوٹی دستار یا چھوٹا شملہ سر پر رکھا جائے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ جنھوں نے اپنی قدیم وضع کی دستار کو باقی رکھا ہے ان کے سر پر وہی دستار اچھی معلوم ہوتی ہے۔

بہرام الملک مرحوم کی خاندانی دستار پر کلابتونی توڑہ کے تین پیچ متصل رہتے ہیں نواب صاحب مغفور کے چھوٹے داماد نواب بہرام الدولہ بہادر اسی خاندان کے ہیں۔ نواب رکن الملک خان دوران بہادر کی خاندانی دستار پر بھی کلابتونی توڑے کے پیچ ہوتے ہیں مگر مینی دستار پر ان پیچوں میں قلغی رہتی ہے۔ بہادر موصوف ہم جد ہیں میر موسیٰ خاں رکن الدولہ مرحوم کے۔ ان توڑوں کی نسبت بعض عطیہ شاہی سمجھتے ہیں لیکن مولف کا خیال یہ ہے کہ سابق زمانے میں جنگ و جدل اکثر ہوتا تھا اس لئے فولادی زنجیر کے چند پیچ سر کے بچاؤ کے لئے دستار پر لپیٹتے تھے یا آنکہ فولادی زنجیر پر کلابتوں لپیٹ کر دستار پر قایم کرتے تھے اور اس کو اپنا تمغہ قرار دیا تھا۔ جب وہ زمانہ شمشیر زنی کا باقی نہ رہا اور وہ لوگ بھی نہ رہے تو ان کی اولاد نے فولادی زنجیر کو ترک کر کے صرف کلابتونی توڑا بطرز بزرگانِ خود دستار پر باقی رکھا ہے۔

نواب سر تاج جنگ بہادر خلف محبوب یار جنگ ناظم الملک بہادر مرحوم

سخت عیب تھا۔ اسی وجہ سے ہرچند برادران موصوف مرحوم نے عمامۂ مذکور کو
اختیار کر لی تھی حالانکہ نواب امیر حسین صاحب بالکل تھے دستار سر پر رکھنے تو ممکن
تھا۔ نیز نورالامرا بہادر نے جو سالار سے پہلے آکر جب امانت کو پہنچے تھے
وہی دستار امرا و شرفاے دہلی کو اختیار کیا تھا۔ یہاں کی سی دستار کو سر پر نہ رکھا۔
چنانچہ ان کے پوتے پروتوں میں اب تک وہی دستار مروج ہے۔

یہاں لباس خاندان امیر کبیر بہادر دراز دست ضمیمہ برجو دولت سرائے
نواب سالار جنگ بہادر میں موجود ہیں۔ شمس الامرا بہادر کلاں کی سفید دستار
جس کی بنی پست قدیم مشہدیوں کی طرح تھی نیچے پہنتے تھے آستین ایک
درخت کی ڈھیلی مگر آستین کا تنگ گنڈیاں ہیں بلا اندر بابت ٹکے ہوئے۔
ہاتھوں میں زمرد کی سمرنیں۔ عمدۃ الملک بہادر خلف کلاں رشیدالدین خاں
بہادر وفارالامرا کی سفید دستار بنی پشت دیوار غفب بند۔ ان کے خاندان
میں درباری لباس جامہ یا نیمہ وغیرہ کا ڈگلا اور گلے میں زمرد کی تسبیح
ہاتھوں میں سمرنیں۔

نواب صاحب مغفور سب طرح قدیم خاندان اپنے قیام گاہ میں کارچوبی
نوکدار ٹوپی پہنتے تھے۔ لیکن مرشد زادوں کی ٹوپی سے کہ وہ ایسی ہی ہوتی ہے
علیحدہ ہونے کے لئے اپنی ٹوپی کی نوک میں شکن ڈال کر قدرے جھکا لیتے تھے۔
اور تا دم رحلت وہی ٹوپی کارچوبی پہنتے رہے۔ دراصل یہ ٹوپی قدیم وضع ایرانی ہے

مرحوم ہوے۔ ان کے فرزند میر ریاضت علی خاں محبوب یار جنگ بہادر بتاریخ ۹ ربیع الاول ماہ جمادی الاول ۱۲۶۹ھ متولد ہوئے تو ان کی بھی پرورش یہیں سے ہونے لگی بلکہ ان کے لئے ناز و نعم زیادہ رہے کیونکہ ان کے وقت میں خود نواب صاحب مغفور سا مختار کارخانہ و مدارالمہام سلطنت پرورش فرما و نازبردار تھا۔ مانند اپنے بچوں کے تعلیم و تربیت فرمائی۔ محل نواب صاحب مغفور کو ان سے پردہ نہ تھا۔ لائق بنا کر غفران مکان کی خدمت میں متقرر فرمایا جس کے باعث بعد ازاں ابدی کا نگ اور مورد عنایات غفران مکاں ہوئے اور گنجخانہ و تعمیرات وغیرہ خدمات علاقہ صرفخاص و خطاب محبوب یار جنگ ناظم الدولہ ناظم الملک بہادر سے سرفرار رہ کر دوم ماہ شوال ۱۳۲۵ھ میں رحلت کی۔ ان کے بعد ان کے فرزند لائق و نکی الطبع کریم النفس نواب سہ تاج جنگ بہادر جن کا سنہ میلاد ۱۳۰۳ھ ۱۴ ماہ صفر شب جمعہ ہے خدمات پدری سے براحم شاہی منصرمانہ سرفراز و کارگزار ہیں پس فی الحال اس قدر کافی ہے۔ اب اس بیان دستار و غیرہ ملبوس قدما کو پورا کرنا لازم ہے جو باقی رہ گیا ہے۔ واضح ہو کہ عہد وزارت سراج الملک بہادر میں طالب الدولہ بہادر کوتوال اور ان کے بھائی غالب الدولہ بہادر و فیض مآب الدولہ بہادر ایرانی نژاد تھے اس لئے زرین فوردار عمامہ سر پر رکھتے تھے جیسا کہ میرزا علی محمد خاں معتمد الدولہ بہادر مرحوم کے خاندان میں چھوٹے آغا مخاطب بہ معتمد جنگ بہادر مرحوم تک رواج رہا۔ کسی خاندان کی دستار کو اختیار کرنا اس زمانے میں

اور گیہوں کسی محتاج کو دے دیتے تھے۔ جب تک تولی نہ جاتی اس دستار کو سر پر نہیں رکھتے تھے۔

قبل مدارالمہامی مغفور اوّل یہاں رومی ٹوپی فقط چند رومیوں کے سر پر نظر آتی تھی۔ ان کے سوائے کوئی نہیں پہنتا تھا۔ اور نہ ایرانی ٹوپی مروجہ حال کا کہیں پتہ تھا۔

دیوار کی نغوہ دار ٹوپی جو اس زمانے میں رواج پائی ہے۔ یہ ٹوپی سابق زمانے میں صرف کم سن لڑکیوں کو پہناتے تھے۔

نواب صاحب مغفور کا نیز دوسرے امرا و شرفا و اہل منصب کا لباس درباری جامہ کے سوائے قبا و کبانی بھی تھی۔ وہ بھی مانند جامہ کے لانبی ٹخنے تک جامہ کے نیچے نیمہ پہننا لازمی تھا۔ نیمہ کی قطع بھی مانند جامہ کے ہوتی ہے لیکن اس کا گھیر مثل جامہ کے زیادہ نہیں ہوتا ہے اور لانبان بھی جامہ سے کسی قدر کم ہوتی ہے۔ آستین ایک دوخت کی سیدھی۔ دو دوخت کی جیسی کہ اب مروج ہے اس کو جانتے ہی نہ تھے۔ اور نہ کوئی خیاط یہاں کا تیس[۳] برس کے قبل تک بھی قبا کی ایسی قطع و برید جانتا تھا۔ نیز قدیم امرا سوائے دربار کے خالی اوقات میں بھی دہتو پہنتے تھے جو کہ مانند قبا کی تھی مگر اس کا بر مانند جامہ کے ایک پر ایک آتا تھا۔ اور اس کے بند بھی مثل جامہ کے ہوتے تھے۔ جس کا ذکر لباس عہد عالمگیر پادشاہ میں کیا گیا ہے۔ نیز پہلوای

اور شکن ڈالنا بھی وہیں کا طرز ہے۔ لیکن وہ اس سے اونچی اور شال وغیرہ پشمینے کی ہوتی تھی مانند یہاں کے کارچوبی نہیں۔

نواب صاحب مغفور ہر گاہ شکار یا سفر وغیرہ میں گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور دھوپ ہوتی تھی تو پیشانی اور آنکھیں دھوپ سے محفوظ رہنے کے لئے حسب طریقۂ اہل ایران یعنی دستار پر یعنی پیشانی پر **قتات** باندھ لیتے تھے مگر سایہ کے واسطے کبھی انگریزی ٹوپی سر پر نہ رکھی۔ قنات سیاہ بانات و مقوہ وغیرہ کسی دبیز چیز کا ہلال ہوتا ہے اس کے گوشوں میں دو ڈوریاں ہوتی ہیں۔ اس ہلال کو پیشانی پر کھڑا رکھ کر اس کی ڈوریاں پس سر باہم باندھ لیتے ہیں تو اس ہلال کا سایہ پیشانی اور آنکھوں پر پڑتا ہے۔ اگر آفتاب سر پر ہوتا ہے تو تمام چہرہ بھی اس ہلال کے سایہ میں رہ سکتا ہے۔

عموماً شرفا دربار شاہی میں یا امرا کے پاس یا کسی دعوت وغیرہ میں جانے کے وقت دستار سر پر رکھتے تھے ورنہ شملہ یا ٹوپی سنجافی قطع کی جس کو اہل ایران عرقچین کہتے ہیں۔ یا تاج اپنے گھر میں پہنتے تھے۔ کہیں باہر ٹوپی سے نہیں جاتے تھے تاج مشابہ ہوتی ہے لکھنو کی دوپلڑی ٹوپی سے مگر دوپڑی چھوٹی ہوتی ہے سالم سر کی نہیں ہوتی اور تاج سالم سر کی ہوتی ہے۔

تمام لباس میں دستار کی عزت زیادہ تھی۔ اگر سر پر سے یا کھونٹی پر سے اتفاقاً دستار گر پڑتی تو اس کو گیہوں کے ساتھ ترازو میں تولتے تھے۔

بطرز قدیم تھی۔ موسم سرما میں بنات وغیرہ کا شرفا اپنے گھر میں پہنتے تھے۔ یعنی اتنا اونچا لباس کہ زانو تک پاؤں نظر آئیں اس کو پہن کر کہیں باہر جانا خلافِ تہذیب جانتے تھے۔ اگر باہر پہنتے بھی تو انگرکھے کے اوپر۔

نواب صاحب مغفور اتنی اونچی قبا گھوڑے کی سواری کے وقت پہنتے تھے۔ نیز حسب دستور بزرگان خود دربار جانے کے وقت جامہ پہن کر سفید بنارسی پٹکا جس کا متن سادہ اور دونوں زرین ہوتا تھا کمر پر باندھتے تھے اور اس کے دونوں شملہ گرہ دینے کے بعد سامنے آویزاں رہتے تھے۔ اس پٹکہ پر کلابتو پر تلا بھی لپٹا جاتا تھا جس میں تلوار رکھنے کا تکمہ رہتا تھا۔ اس پٹکے میں بوقت سواری اسپ تلوار رکھتے ہیں ورنہ تلوار ہاتھ میں رہتی۔ اور حسب دستور قدیم کمر میں ایک قرولی نشپ پتوری وغیرہ دینے کے لگاتے تھے۔

قدیم زمانے میں روسا وغیرہ اکثر بطرز دکھنیاں تلوار سیدھی اور لانبی رکھتے تھے۔ اس کا قبضہ پرچدار ہوتا تھا یعنی بنی اس کی چوڑی انگلیوں کے بچاؤ کی غرض سے ہوتی تھی۔ اس قبضہ میں تلوار کا پھل آہنی کیلوں سے جڑا جاتا تھا۔ ایسی تلوار کو دھوپ کہتے ہیں۔ بروزن توپ چونکہ اہل دکن میں بنوٹ یعنی فن شمشیر کا کمال رواج تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس فن شریف کے اہل دکن موجد و ماہر تھے۔ مولف نے اپنے استاد مرحوم سے سنا ہے کہ کسی زمانے میں اس فن کے ایک استاد محمد رسول صاحب نامی دکن سے ہندوستان گئے تھے

جگرانی ۔ ململ ۔ سیلا ۔ ڈوریہ ۔ آغابانی ۔ کیمخی وغیرہ کا گھیردار انگرکھہ پہنتے تھے چنانچہ **نواب صاحب مغفور** بھی کم گھیر کا انگرکھہ عہد شباب میں پہنتے تھے۔ اواخر زمانے میں قبا کے نیچے پہنتے تھے ۔ بعض لوگ باریک انگرکھے کے نیچے کرتہ بھی پہنتے تھے ۔ خصوصاً بانکے اور ورزشی جوان باریک انگرکھے کے نیچے آغابانی یا ڈوریہ یا کشیدہ وغیرہ کے کرتے پہنتے تھے ۔ ایسوں کے انگرکھے زیادہ گھیردار اور ٹخنے تک لانبے ہوتے تھے ۔ **چوبغلہ** یعنی ہندوستانی انگرکھہ بھی شاذونادر پہنا جاتا تھا ۔ چنانچہ **نواب صاحب مغفور** نے بھی گاہے پہنا ہے۔

سابق زمانے میں یہاں موسم سرما میں قلمکار یا کوفی اور چھینٹ وغیرہ کا انگرکھہ استردار اندر روئی دیا ہوا پہنا جاتا تھا جس کو ڈگلا کہتے تھے ۔ سوائے بنات کے یہ ٹوییٹ وغیرہ اونی پارچے جو فی زمانہ انواع و اقسام کے مستعمل و مروج ہیں پچاس برس کے قبل ان کے نام سے کوئی واقف نہ تھا ۔

نواب صاحب مغفور اوائل عمر میں نیز دیگر امرا و اہل مقدرت موسم سرما میں صوفیانی شال یا نیما کا یا جس قلمدانی کا ڈگلا پہنتے تھے ۔ جامہ وار انواع و اقسام کے جو فی الحال یہاں مستعمل ہیں ایسے اس زمانے میں نہ تھے ۔

اس زمانے کی قبا جس کو شیروانی کہتے ہیں اور وہ دربار شاہی میں پہن کر جاتے ہیں ۔ اتنی اونچی قبا کو قدیم لوگ یعنی تیس چالیس برس کے قبل تک بھی قبا نہیں کہتے تھے بلکہ کفچہ کہتے تھے جس کی آستینیں ایک دوخت کی اور قطع اس کی

بطور زیبایش یا بلحاظ لازمہ دربار ہاتھ میں رکھتے ہیں تو خمدار از قسم مغرب یا حلب یا جُنب یا مصری یا صراحی یا نزہ وغیرہ آہنی جس کو اصیل کہتے ہیں ۔ یا عباسی یا خراسانی یا اصفہانی یا قزوینی یا شیرازی وغیرہ جو کہ فولادی جوہردار ہوتی ہے ۔ ان میں جس کو بیلا ہو اوسکو غدّارہ کہتے ہیں ۔ ان جملہ تلواروں کے قبضے اورنگ زیبی ۔ حکیم خانی ۔ سیف خانی ہوتے ہیں جن پر اکثر طلائی تہ نشان یا زرنشان یا مُثبت یا کوفت یا کارِ غلامان ہوتا ہے ۔

ان کاموں کے جب نام بتلائے گئے ہیں تو لازم ہے کہ ہر ایک کام کی کچھ کیفیت بھی بیان کی جائے ۔

واضح ہو کہ لوہے کے قبضے پر بیل بوٹے کندہ کرکے طلائی تار جو بٹھاتے ہیں وہ **تہ نشان** ہے ۔ طلائی باریک کام جو مُثبت (ابھرا ہوا) ہوتا ہے اس کو **زرنشان** کہتے ہیں ۔ جس قبضہ پر تہ نشان و زرنشان ہر دو قسم کا کام ہو اُس کو **دوکارہ** کہتے ہیں ۔ طلائی یا نقرئی وغیرہ بیل بوٹے ابھرے ہوئے بڑے بڑے ہوں تو وہ **مُثبت** کہلاتا ہے ۔ ورق طلائی یا نقرئی سے جو بیل بوٹے کا کام ہوتا ہے وہ **کوفت** ہے ۔ طلائی یا نقرئی ملمع کرکے اس پر بیل بوٹے کے لئے زمین جو خالی کرتے ہیں یعنی سیاہ بیل بوٹے ہوتے ہیں تو اس کو نہ طلا یا نہ نقرہ کہتے ہیں جس کے بیل بوٹے میں طلا و نقرہ اور تانبا تینوں شریک ہوتا ہے اس کو **کارِ غلامان** کہتے ہیں بعض قبضوں پر صرف طلائی یا نقرئی ملمع ہوتا ہے سادہ یعنی کوئی

نوان سے وہاں کے بعض لوگوں نے یہ فن کسی قدر حاصل کیا تھا۔ المختصر اس فن کے لئے سیدھی تلوار مناسب ہے اس لئے اکثر اہل دکن سیدھی تلوار رکھتے تھے اور جنگ وجدال اکثر واقع ہوتا تھا۔ اس وجہ سے ان کی تلواریں بلحاظ مضبوطی آہنی کیلوں سے قبضوں میں جڑی جاتی تھیں لاک سے قبضہ میں تلوار جڑنے کو وہ تجربہ کار لوگ ناپسند کرتے تھے کہ اس کا اعتبار نہیں عین شمشیر زنی میں تلوار قبضے سے علیحدہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس زمانے کی تلواریں جو فی الحال اورنگ زیبی وغیرہ قبضوں میں جڑی ہوئی ہیں ان میں قریب دنبالہ کیلوں کے سوراخ نمایاں ہیں اگرچہ چاندی وغیرہ سے وہ سوراخ بھر دیے گئے ہیں۔

قدیم دکھنیوں کی ایسی ہی سیدھی لانبی ایک اور تلوار ہوتی ہے جس میں بجائے قبضہ کہنی تک آہنی دستانہ نصب رہتا ہے۔ اس کی گرفت مانند کٹار کے ہوتی ہے۔ ایسی تلوار کو پٹا کہتے ہیں۔ اس کے پھل کو اکثر پیٹ نہیں ہوتی بلکہ ہر دو طرف دھار ہوتی ہے جس کو سیف کہتے ہیں۔ نیز ایک اور سیدھی تلوار ہوتی ہے جس کا سر نوکدار نہیں ہوتا بلکہ چپٹا اور مدوّر و تیز ہوتا ہے۔ قبضہ اس کا مانند دھوپ کے ہوتا ہے۔ ایسی تلوار کو کھانڈا کہتے ہیں۔ اس کا استعمال اکثر مرہٹوں میں تھا۔

فی الحال یہاں کے امرا و شرفا وغیرہ نفقہ لوگ سیدھی تلوار بہت کم باندھتے ہیں۔ اگرچہ عموماً تلوار کو بیکار تصور فرماتے ہیں۔ مگر دربار وغیرہ میں گاہے

فرد کاند ہے پرڈالے کے عموماً باہر نکلتے نہ تھے۔ یہ رومال جوڑا چار یا پانچ ہاتھ کا طول اور دو ڈھائی ہاتھ کا عرض سوتی سرخ سیاہ وغیرہ جو خانہ انواع واقسام اسی ملک کے تعلقات ہیں یعنی دیورکنڈہ چریال نلگنڈہ وغیرہ میں بنا جاتا ہے۔

نواب صاحب مغفور نے سوائے پیراہن کے انگریزی قمیص کبھی نہیں پہنا۔ اور پاجامہ چہلواری کا دوہرا محرابی قطع کا بغیر کلیوں کے اپنے قیام گاہ وغیرہ میں اکثر پہنتے تھے۔ رزیڈنسی یا اورکہیں باہر جانا ہو تو فلالین وغیرہ کا پتلون نما پاجامہ بھی پہنتے تھے جس کو مغلائی ازار بند ہوتا تھا۔ جامے کے ساتھ جو پاجامہ پہنا جاتا ہے اس کو **تنبان** کہتے ہیں۔ مشروع یا بنارسی گلبدن کا اکھیرا ہوتا ہے۔ ہر پائینچہ تقریباً آدھے وار عرض کا چنانچہ **نواب صاحب مغفور** بھی جامے کے ساتھ تنبان پہنتے تھے۔ تنبان سے کسی قدر چھوٹے پائنچوں کا پاجامہ یعنی ہر پائینچہ تقریباً ایک فٹ عرض کا جو ہوتا ہے اس کو **فیلپایہ** کہتے ہیں۔ چہلواری کا یا سلائیدار کسی بھی پارچہ کا اکھیرا ہوتا ہے۔ سابق زمانے کے مرشد زادے وغیر تنفہ لوگ پہنتے تھے۔ اس سے ذرا کم پائنچوں کا سفید پاجامہ مگر اونچا یعنی ٹخنے تک شرعی کہلاتا ہے۔ ایسا پاجامہ زاہد وعابد متشرع پہنتے تھے۔ نیز چہلواری کا دوہرا پاجامہ جس کو گرگی کہتے تھے عام طور پر مستعمل تھا۔ **چوڑیدار پاجامہ** اریب کا اعلیٰ وادنیٰ کوئی نہیں پہنتا تھا۔ ہندوستان کے گویوں کا لباس ہے کہتے تھے۔

بیل یا بوٹہ نہیں ہوتا ہے اس کو ملمّع کار کہتے ہیں۔

الحاصل قبضہ ہائے مذکورمینی دار بھی اور بغیر بینی کے بھی ہوتے ہیں جن میں تلوار کے پھل لاک سے جڑتے ہیں۔ نواب صاحب مغفور بھی اسی قسم کی تلوار حسبِ رواجِ زمانہ دربار شاہی میں رکھتے تھے۔ جمعداران و سپاہ پیشہ دربار جانے کے وقت عموماً انگرکھا پہن کر کمر پر بڑا پٹکا باندھتے تھے اور اس میں پیش قبض کٹار تمنچے وغیرہ لگاتے تھے اور کلابتونی یا چرمی پٹا جس کو علی بند کہتے ہیں حمایل کرتے تھے جس میں تلوار کا بکا اور اس میں تلوار پڑی رہتی تھی۔ پشت پر بڑی سپر لگی ہوئی رہتی تھی۔ سابق زمانے میں علی بند حمایل کرنا روسا و امرا کا بھی عموماً دستور تھا۔

رسالداروں اور جمعداروں کی دستاریں یا تنین پیچی پگڑیاں مختلف وضع کی تھیں اور ہنوز ہیں۔ پٹکا چھوٹا ہو یا بڑا کمر پر باندھنا عموماً دستور دربار تھا۔ جیسا کہ اس زمانے میں فقط گلوبس کمر پر لگا لینا اعلیٰ و ادنیٰ سب نے اختیار کیا ہے سابق زمانے میں ایسا جائز نہ تھا۔ سابق زمانے میں عموماً جامہ و قبا وغیرہ کے اوپر موسم سرما وغیرہ میں دوشالہ یا شالی رومال اوڑھتے تھے۔ غیر موسم سرما میں بنارسی یا نانڈیڑی یا سادہ سفید رومال باریک اوڑھتے تھے۔ چنانچہ خاندان لالہ بہادر میں ہنوز اس کا رواج ہے۔

دوشالہ مستطیل شالی دو چادروں کا ہوتا ہے رومال شالی وغیرہ مربع ہوتا ہے اور مثلث تہہ کر کے اوڑھتے ہیں۔ انگرکھا پہن کر بغیر رومال کا جوڑا یا

یہ سلیم شاہی وغیرہ ہندوستان کا جوتا بھی ثقہ لوگوں کے نزدیک معیوب تھا چننے والوں کا جوتا ہے کہتے تھے۔ ہندوؤں کے جوتے عموماً سرخ زری کے دیہات کے بنے ہوئے اور سرخ ریشم کا کام پنجوں پر ہوتا تھا۔

اہل اسلام اعلیٰ و اوسط اپنے بچوں کو تقلاً دو تین سال تک سفید پاجامہ پہنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مشروع یا اطلس یا سرخ مدرہ وغیرہ کی حسب مقدرت رنگین تنبان پہناتے تھے۔

مصالح کناری گوٹہ ٹانک کر رنگین تاج یا گول ٹوپی یعنی عرقچین یا کان ٹوپی اطلس و کمخواب وغیرہ کی حسب استطاعت پہناتے تھے۔

سابق زمانے میں یہاں کے مستورات شرفا انگیا یا چولی ململ کی پہننے جالی پہننا معیوب جانتے تھے۔ اگر پہنتے بھی تھے تو استر ململ وغیرہ کا دے کر اور کرتی کوتاہ یعنی کمر سے کچھ نیچے۔ شادی وغیرہ تقاریب میں پیشواز پہنتے تھے۔ شوہر دار رنگین اور بیوہ سفید۔ اوڑھنی سر پر سے سرکنے نہیں دیتے تھے یعنی کھلے سر رہنا ممنوع و معیوب جانتے تھے۔

ادنیٰ درجہ والوں کا لباس علیحدہ تھا۔ شاگرد پیشہ و فراش و اہل حرفہ وغیرہ جملہ انگرکھا ملکے کپڑے کا پہنتے تھے اور پگڑی تین پیچی یا کوئی اور وضع کی سرخ وغیرہ رنگین۔ پٹکا یا رومال سے کمر بندھی ہوئی۔ لیکن دستار و قبا سوائے شرفا کے دوسرا کوئی ہرگز نہیں پہن سکتا تھا اگرچہ مال دار ہوتا چنانچہ کوئی

پاتابہ پہننے کا سابق زمانے میں دستور تھا نہ پاتابے ہر ایک کو دستیاب ہوتے تھے۔ بعض اہل مقدرت کو ایرانی وغیرہ پاتابے میسر ہوتے تھے تو موسم سرما میں فقط اپنے قیام گاہ میں پہن لیتے تھے دربار میں پہن کر نہیں جاتے تھے۔

نواب صاحب مغفور سُرخ نری کا دیسی جوتا چونچ دار پہنتے تھے۔ اس کا سر خمیدہ نہیں ہوتا تھا۔ ایڑی پست اور اندر سُرخ مخمل منڈھا ہوا۔ دربار میں بھی وہی جوتا پہن کر جاتے تھے عموماً ثقہ لوگ ملکی سرخ نری کا جوتہ جس کو آپاشاہی کہتے ہیں پہنتے تھے۔ خواہ اپنے گھر میں خواہ دربار میں وہی ایک قسم کا جوتا تھا۔

گھوڑے کی سواری کے لئے چرمی موزے زانو تک پہنتے تھے۔

جوان اور بانکے لوگ زیر پائی زرد یا سرخ وغیرہ مخمل کی یا کمخواب یا کیمخت کی یا کارچوبی کام کی یا سادی سرخ نری کی پہنتے تھے۔ زیر پائی کی ایڑی میں نعل ہوتی ہے اور اس کا سر نہایت خمیدہ ہوتا ہے۔ پہنو تو پاؤں کی انگلیاں فقط اس میں جاتی ہیں اور نصف سے زیادہ ایڑی باہر رہتی ہے۔

اس زمانے کا زنانی جوتا عموماً سرخ نری کا یا مخمل کا یا کارچوبی وغیرہ مثل آپاشاہی کے تھا مگر اس کا سر آپاشاہی سے زیادہ اونچا اور خمیدہ۔ ایڑی بھی اونچی۔ ایسا ہی زنانی جوتا کارچوبی کام کا جلوہ کے روز نوشاہ بھی عموماً پہنتے تھے۔ انگریزی جوتا بوٹس یا پمشوز وغیرہ پہننا تو گویا کفر تھا۔

شربت خوری ہوتی تھی یعنی چھوٹی سی گلاس میں مصری کا شربت انہیں پلایا جاتا تھا۔ شربت پینے کے وقت ہر ایک شخص دو روپے یا ایک روپیہ یا ادھیلی حسب امکان گلاس شربت کی تھالی میں رکھ دیتا تھا۔ اسی طرح زمانے میں بھی۔ اب وہ شربت خوری عموماً نہیں رہی مگر بعض شادیوں میں صرف جلوہ کے روز بعد عقد خوانی نوشاہ کو اور پدر و برادر حقیقی کے لئے ہوتی ہے۔

کیسا ہی کم استطاعت آدمی ہوتا بعیہ رسم ساچق و حنابندی و شبگشت کے اس کی شادی ہوتی نہ تھی۔ یعنی یہ تینوں تقریبیں تین روز میں ادا ہونا واجب سے تھا۔ فقط ایک شب و روز کی شادی ناپسند و معیوب تھی۔ شب گشت نصف شب کو ہوتا تھا۔ عقد خوانی اور جلوے سے فارغ ہوکر قبل طلوع آفتاب تاروں کی چھاؤں میں اکثر بازگشت ہوجاتی تھی۔ کسی کی بازگشت ذرا دن چڑھے ہوتی تھی تو سب کہتے تھے بڑی دیر ہوگئی۔ تیس چالیس روپے ماہوار دار تک بھی اپنی شادی میں اقلاً ایک دو خوانی تورہ تقسیم کرتا تھا۔ ذی مقدرت کی شادی میں سات خوانی یا پانچ خوانی تورے تقسیم ہوتے تھے۔ نامی گرامی بڑے امیر و وزیر دولتمند کی شادی میں گیارہ خوانی یا تیرہ بلکہ اکیس خوانی تورے تقسیم ہوتے تھے۔ ایسا تورہ کسی غریب منصبدار کے گھر آتا تھا تو اس کا گھر کھانے کی چیزوں سے بھر جاتا تھا اور وہ شخص بسبب افراط اغذیہ اس میں سے اپنے ہمسایہ میں اور عزیزوں کو تقسیم کرتا تھا اس کے گھر میں اس روز گویا شادی کی

شریف وشرفا نو کچا اپنی کہنہ قبا بھی کسی شاگرد پیشہ وغیرہ کو عطا نہیں کرتا تھا کہ ہمارا لباس مَمو پہن نہیں سکتا ہے۔

الحاصل سابق زمانے میں اعلیٰ وادنیٰ کے لباس میں بلکہ ہر فرقہ و ہر پیشہ ور کے لباس و پگڑی میں فرق ہوتا تھا جس سے صاف معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ شخص فلاں پیشے کا ہے۔

مسلمان اور ہندو انگرکھے سے پہچانا جاتا تھا یعنی مسلمان کے انگرکھے کی گھنڈی ڈکمہ بائیں طرف ہوتا ہے اور ہندو کے انگرکھے کا داہنے جانب۔ معمار۔ نجار۔ زرگر۔ آہنگر۔ صراف خیاط وغیرہ کے انگرکھے کھادی وغیرہ موٹے کپڑے کے کمر تک ہوتے تھے اس سے زیادہ لانبے نہیں۔ عید کے روز یا شادی وغیرہ میں زانو تک لانبا انگرکھا پہنتے تھے۔ قدیم لباس بتلایا گیا ہے تو لازم ہوا کہ مختصر سا حال ان قدیم تقاریب کا بھی بیان کیا جائے جو متروک ہو گئے اور ہونے کو ہیں۔

واضح ہو کہ بزمانہ سابق تقریب بسم اللہ خوانی میں لڑکا یا لڑکی بسم اللہ پڑھنے کے بعد اس کے ہاتھ میں جملہ اقارب و احبائے مدعو فرداً فرداً حسب مقدرت روپے یا اشرفیاں رکھتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس زنانے میں مستورات بھی دیتی تھیں۔ چنانچہ خاص خاص عزیز و اقارب اب بھی دیتے ہیں۔ شادی میں ہمراہی رسم جو طرف ثانی سے آتے تھے یا ہمراہ نوشہ جو رہتے تھے اُن کی

دعوت کر کے طعام شادی کھلاتے کا طریقہ رفتہ رفتہ تمام بلدے میں جاری ہو گیا۔
شادی وغیرہ تقریب میں مہمانوں کو وقت رخصت پھولوں کے دو ہار گلے میں ڈالتے تھے ایک ہار دینا معیوب تھا۔ اگر پھول گراں ہوتے یا کم استطاعتی ہوتی تو گلاب کی پتیوں ہی کے سہی مگر ہاروں کا ہونا لازمی تھا۔ اور پاندان یعنی ایک کشتی میں سات تشتریاں پان مصالح کی۔ الائچی۔ چھالیہ۔ چکنی ڈلی۔ جوز۔ جوتری۔ لونگ کتھا۔ اور حسب امکان پچاس یا اس سے کم و زیادہ پان ہر ایک مہمان کو پیش کرتے تھے۔ مہمان وہ سب مصالح خالی کر لیتا تھا۔
ابنّ صاحب والد مرزا ثابت علی مرحوم نے جو ایک تاجر شخص تھے بنظر تخفیف تصدیع و تقلیل مصارف الائچی اور چھالیہ وغیرہ ہر ایک شے مصالح کی جدا جدا پوڑا باندھ کر سرخ یا زرد کاغذ کے مستطیل کیسے میں جملہ پوڑیاں ڈالدیں۔ وضعیہ اور قہوہ خام کی دو پوڑیاں بھی شریک کیں تا کہ کیسۂ مذکور کا ابھار اور وزن کسی قدر بڑھ جائے۔ اور کیسے کا منہ بند کر کے پان کے ساتھ تقسیم کئے۔ کیسہ پوڑا کہلاتا تھا۔ اس کا رواج کئی سال رہا۔ جب کشتیاں مروج ہوئیں تو وہ کاغذی کیسے تفصیلی آدمیوں کو یعنی مہمانوں کے ملازمین وغیرہ کو دینے لگے۔ کشتیوں کا بانی و موجد معلوم نہ ہوا مگر اس کی کیفیت یہ کہ ٹین کی کشتی مربع مستطیل خانے دار بنوائی گئی ان خانوں میں مصالح مذکور ڈالنے کے بعد سرخ پارچے میں کشتی کو لپیٹا اور اس پر سرخ پارچہ کا تورہ پوش

بو آتی تھی۔ بہرحال تقسیم طعام شادی واجبات سے تھی۔ سابق زمانے میں بعض دولتمندوں کی شادی میں خوان۔ جھبیے۔ یستنی۔ نورہ پوش سمیت نورے تقسیم ہوئے ہیں یعنی مزدوروں نے سر پر سے خوان اتار دئے اور چلے گئے۔ چنانچہ پچاس برس کے قبل ایک چودھری چوبینہ فروش یا لے صاحب نام ساکن رزیڈنسی نے بھی اپنے پسر کی شادی میں نورے مع خوان وغیرہ تقسیم کئے اور مزید برآں یہ تکلف کیا کہ بجائے سفالی ہر نورے میں نو عدد ظروف مسی قلعی کئے ہوئے تھے۔

سنہ ۱۳۰۱ھ میں نواب رکن الملک خان دوران بہادر نے اپنی صبیہ کی شادی میں کئی روز تکلف سے دعوت کر کے جملہ اقارب واحباب کو اگرچہ عمدہ کھانے کھلائے مگر چونکہ بہ نسبت دستور قدیم امرا میں یہ نئی بات تھی تو لوگوں میں چرچے ہوئے۔ جو ناواقف تھا وہ کہتا تھا کہ ایسے بڑے امیر ہو کر نورے تقسیم نہ کئے۔ جو واقف تھے وہ کہتے تھے کیا کریں گے نواب قرضدار و زیر بار ہیں۔ تخمیناً چالیس برس کے قبل قوت جنگ مرحوم نے اپنی صبیہ کی شادی میں رسم حنابندی کو خلاف دستور قدیم بوقت عصر روانہ کیا لہذا چرچے ہوئے کہ کیا کفایت شعاری ہے۔ مصارف روشنی سے بچنے کے لئے دن کو مہندی نکالی ہے۔ بسبب خلاف عادت ہونے کے چند روز چرچے تو رہتے ہیں لیکن کفایت کا کام جلد پسند آجاتا ہے چنانچہ جب سے دن کو مہندی روانہ کرنے کا اور بعوض نوروں کے

اکثر سید ھے اور وضع کے پابند تھے۔ اور جھوٹی قسم کھانے کی جرات تو عوام الناس
میں بھی بہت کم تھی۔ اکثر مخلوق ہتیار بند تھی حتّیٰ یہ کہ بعض سائیس اور بھوئی
یعنی کہار بھی سواری کے وقت ایک خمدار چھری خاص وضع کی جس کو نرٹپ کہتے
ہیں کمر میں لگا لیتے تھے۔ نشہ باز خصوصاً مسلمانوں میں کے سپید بھی بیٹے بیٹے
بوڑھے ہوتے تھے مگر شراب کو بہت بد چیز جانتے تھے اور نہایت گناہ کا کام اور
سخت مضر سمجھ کر پرہیز کرتے تھے قدیم لوگ رواج قدیم کے پابند رہتے تھے
اگرچہ حکم شرع سے نہ ہو۔ چنانچہ خوشدامنیں اپنے دامادوں سے عموماً پردہ کرتی
تھیں۔ بعد انتقال برادر زوجۂ برادر کے ساتھ عقد کرنا نہایت ناجائز جانتے تھے
بلکہ اب تک بھی انہیں طبایع کا اثر ہے۔ جو شخص کسی عورت کو بہن کہہ دیتا تو
اس کا لحاظ عمر بھر رکھتا تھا۔ جس دختر کی صرف نسبت ٹھہرتی باآنکہ کوئی رسم
ابتدائی منگنی وغیرہ ادا ہوتی اور بعد ازاں قبل شادی وہ منگیتر اگر مر جاتا تو پھر
اس دختر کی شادی کسی دوسرے سے نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو عمر بھر کے لئے
بیوہ بنا کر بٹھا دیتے تھے۔

سابق زمانے کے شرفا میں ناکتخدا لڑکیوں کے بیٹھنے کا مقام سب سے علیحدہ
کنارے معین رہتا تھا۔ کشیدہ وغیرہ دوخت کے کام میں مشغول رہتی تھیں۔
کسی کے پاس کی ماما وغیرہ باہر کی عورتیں آتیں یا مہمان مستورات آتی تھیں
اور گھر کی بی بیوں سے جو کچھ بات چیت باہم ہوتی تھی اور اہل زمانہ کی بھلی بری

نقرئی چھوٹی کرن ٹکی ہوئی اُڑھایا گیا۔ اور عطر کی چھوٹی سی شیشی اور پان کے ساتھ دینے لگے۔ ایک مدت یہ خوشنما کشتی اکثر تقاریب میں جاری رہی۔ بعد ازاں ڈاکٹر مرزا علی خاں حکیم الحکما مرحوم نے ۱۳۱۰ھ میں اپنے فرزند میر عباس حسین کی شادی میں ٹین کی کشتی عمدہ ڈھکنے دار تقریباً آدھ گز طول ایک فٹ عرض کی۔ ایک طرف نر مادے دوسرے طرف کنڈہ بند کرنے کا کسی اچھے کارخانے میں بنوائی اور اس کشتی پر رنگین نقشی کاغذ ولایتی چسپاں کیا۔ اس میں اشیائے مصالح کے ساتھ ایک ڈبیہ نقرئی تخمیناً چار ماشہ وزنی اس میں عطر کا پاھا رکھا۔ اور وہ کشتیاں پان کے ساتھ تقسیم کیں۔

یہ کشتی بہ نسبت کشتی مذکور کے جو آسان نظر آئی تو اسی کی تقلید شروع ہوئی مگر صرف ٹین کے ڈبے بہیں کے بنے ہوئے کہیں بڑے کہیں چھوٹے یا مصالح مذکور عطر کی شیشی مع پان تقسیم ہونے لگے۔ بعضوں نے آئینہ دار وغیرہ بنوائے۔ تا آنکہ وہ بھی موقوف ہوکر صرف انگریزی ڈبیہ ٹین کی قدرے الایچی اور چکنی ڈلی بجائے ہار ایک گلدستہ جس کو یہاں پھول لنگی کہتے ہیں دیتے تھے وہ بھی متوسطین ورنہ متمولین تو وہ بھی نہیں۔

جب لباس و تقاریب اہل زمانہ سابق کا بیان ہوا ہے تو ان کے تھوڑے خصائل وغیرہ کا ذکر کرنا بھی لازمی ہوا۔

واضح ہو کہ زمانۂ سابق کے لوگ خصوصاً شرفا جھوٹ کہنے کے عادی نہ تھے۔

مردوں کے لئے ہاتھی۔ گھوڑا۔ میانہ کے سوائے کرسی میانہ بھی مروج تھا
جو کہ بطور کرسی کے ہوتا ہے اس پر فقط مربع چھت ہوتی ہے۔ بعض بغیر
چھت کے بھی۔ ٹاپ بھی بطور کرسی میانہ کے ہوتی ہے مگر اس پر ٹاپ مانند
فٹن گاڑی کے ہوتی ہے خواہ اس کو چڑھا دیں یا اتار دیں۔ پنس مثل میانہ
کے ہوتی ہے مگر میانے سے کسی قدر بڑی اور سنگین۔ اس کا ذکر مفصلاً واقع
دربار عید الفطر میں ۱۲۹۲ھ میں آئے گا جس کو اندر اختر تیر عالم بہادر
کے لئے گورنر جنرل بہادر نے کلکتہ سے تیار فرما کر بھیجا تھا۔ بعد ازاں یہاں کے
امرائے عظام نے بھی ویسا ہی بنوا لیا۔

انگریزی گھڑیال طاقچے وغیرہ میں رکھنے کی یا جیبی گھڑی سابق زمانے
میں نام کو نہ تھی۔ سو برس کے آگے شاذ و نادر رئیس و وزیر کے پاس شاید آئی ہوگی ورنہ
رئیس و وزیر و امرائے اعظم کے پاس عموماً گھڑیالی ملازم تھے۔ گھڑیالی کے پاس ریتی
اور شیشی کی گھڑیال رہتی تھی اس کے حساب سے روز و شب کی گھڑیوں اور پہر
کی خبر با آواز بلند دیتا تھا۔ سواری کہیں گئی تو گھڑیالی بھی ہمراہ رہتا تھا اور وقت معینہ
پر اپنا فرض منصب ادا کرتا تھا۔ مثل نوبت اور روشن چوکی وغیرہ کے یہ گھڑیال
بھی سامان امارت میں داخل ہے۔ چنانچہ بڑے امیروں کی سرکار میں ہنوز وہ گھڑیالی
موجود و ملازم ہیں اگرچہ اب وہ بیکار ہیں۔ نیز پانی اور کٹورے کی گھڑیال بھی امرا
کی ڈیوڑھیوں پر ہوتی تھی اسی کے حساب سے پہر سی گردے کو یعنی گھڑیال جو

کیفیتیں بیان کی جاتی تھیں اس سے ناکتخدا لڑکیاں بالکل مطلع ہونے نہیں پاتی تھیں۔ اور ناکتخدا لڑکیوں کو کسی شادی وغیرہ تقاریب میں بھی نہیں بھیجتے تھے لہٰذا وہ لڑکیاں کتنے ہی سن کی کیوں نہ ہوں زمانے کے صفات مذموم یعنے جھوٹ سخن سازی غیبت۔ مکروفریب وغیرہ سے محفوظ و بے خبر رہتی تھیں۔

عروس و نوشہ اپنے والدین وغیرہ بزرگوں کے روبرو باہم بات چیت نہیں کرتے تھے۔ اور یہ لحاظ اکثر صاحب اولاد ہوئے تک رہتا تھا۔ جب اولاد ہوتی تھی تو بزرگوں کے سامنے اپنے طفل کو گود میں لینا یا پیار کرنا بے شرمی سمجھتے تھے۔ مستورات شرفا کے لئے نہایت گاڑھا پردہ تھا۔ چنانچہ مِنَس یا رتھ میں کہ زنانی یہی دو سواریاں تھیں خصوصاً جب کبھی بیرون شہر کسی قدر دور جانا ہوتا تو مِنَس یا رتھ کے اصلی پردہ پر اکتفا نہ کرکے اس پر چاندنی یعنی سفید گاڑھا کپڑا لپیٹ کر سوتی رسیوں سے کستے تھے۔ غریبوں کے لئے کرایہ کی ڈولی یا چھتری میانہ یا برقع کی گاڑی تھی۔ برقع کی گاڑی دو چاک کی ہوتی تھی اور دو بیل اس کو کھینچتے تھے۔ اس پر موٹے پارچے کی دوہری پوشش ہوتی تھی اس کو برقع کہتے تھے۔ اس گاڑی میں گھنگرو لگائے جاتے تھے جس کے باعث بوقت رفتار آواز ہوتی تھی خصوصاً جب پتھر گٹی پر سے گزر ہوتا تھا تو دور ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ برقع کی گاڑی جا رہی ہے۔ بعض رتھ میں بھی گھنگرو ہوتے تھے مگر نازک آواز کے۔

بیانِ عدم صفائی وغیرہ زمانۂ سابق

قبل مدار المہامی مختار الملک مغفور اوّل بمقام دروازۂ افضل گنج فصیل کہنہ تھی۔ اس کے اندر جانب غرب جو فی الحال حیدر نواز جنگ مرحوم کی بنائی مارکٹ ہے وہاں بہت عمیق گڑھا دہلی دروازے تک تھا۔ اندرون جملہ شہر پناہ کہیں چند مکان کہیں ویرانہ زمین افتادہ تھی۔ کہیں زراعت بھی ہوتی تھی۔ اسی طرح بلدہ میں اکثر مقام غیر آباد تھے۔ بعض کم آباد محلوں میں بڑے بڑے عمیق گڑھے تھے جن میں کچرا کوڑا ڈالا جاتا تھا۔ بارش کا پانی ان میں جمع ہو کر عفونت ہوتی تھی۔ نیز بڑی بڑی بعض باؤلیاں ویران وخستہ حال تھیں جن کا پانی استعمال نہیں کرتے تھے۔

جملہ محلوں کی گلیاں تنگ اور غلیظ تھیں۔ مکانات کی موریوں کا پانی باہر بہتا ہوا۔ جا بجا کچرے کوڑے کے انبار۔ کیونکہ اس زمانے میں صفائی کی بنڈیاں کہاں تھیں جو کچرا کوڑا روزانہ اٹھا لیجاتیں۔ پس لامحالہ ہر ایک مکان کا کچرا کوڑا اسی گلی میں کے گھوڑے پر ڈالا جاتا تھا۔

شاہراہ پر جو مکانات واقع تھے ان کی موریوں کا بھی پانی راستے پر بہتا تھا۔ کیونکہ شاہراہ کی سرکاری پختہ موریاں نہ تھیں۔ اکثر مکانات میں سنڈاس تھے۔ سوائے امرا کے مکانات کے کہ وہ گچ کے تھے باقی جملہ مکانات خواہ کوچوں میں کے

آویزاں ہوتا ہے موگری سے بغرض اطلاع عام بجاتے تھے مگر وہی گھڑیاں اور پہر۔ گھنٹے اور منٹ کے نام سے بھی کوئی آگاہ نہ تھا۔

راستے کی طرف ہوتی تھی تو اس کی سفال وغیرہ کا فیصلہ ہوجاتا تھا۔ اگرچہ اس میں فیلبانوں کی مخموری اور شرارت بھی شریک تھی لیکن تنگی شاہ راہ کی وجہ سے ہی انھیں شرارت کا موقع ملتا تھا۔

اس تنگی راہ پر طرفہ یہ تماشا تھا کہ نٹ جن کو یہاں گاروڑی کہتے ہیں۔ نیز پہلوان وغیرہ بازیگر جہاں چاہتے تھے عین راہ میں تماشا بتلانے کو بیٹھ جاتے تھے۔ اور تماشا بینوں کے ہجوم سے راستہ مسدود ہوجاتا تھا۔ رہگذر خصوصاً گھوڑا۔ میانہ۔ رتھ۔ بنڈی وغیرہ کو بدقت وہاں سے گزرنا ہوتا تھا۔ نیز رفاعی فقیر خصوصاً جو دوکاندار پیسہ دینے میں انکار کرتا تھا تو اس کی دوکان پر گھنٹوں اڑے رہتے تھے۔ ضرب لگاتے تھے یعنی زبان کاٹ لیتے تھے۔ آنکھ نکال لیتے تھے۔ یہ دیکھنے کو بھی مجمع لوگوں کا ہوجاتا تھا۔

بعض فقیر بھیڑیئے بعض ریچھ کو۔ بعض شیر کو دو طرف سے رسیاں تھامے ہوئے اور ہاتھوں میں فقیروں کے لوہے کے کڑے۔ ہر ایک دوکان پر بجاتے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔ جب پیسہ لیتے تھے تو دوسری دوکان پر جاتے تھے۔ یہ دیکھنے کو بھی بچے اور بڑے جمع رہتے تھے۔

چارکمان اور چار مینارہ کی طرف کے راستے اس قدر تنگ نہ تھے تو بھی ایسے تھے کہ چاروں کمانوں کی کرسی کے آگے ایک ایک ملگی کمان کے اندر بھی تھی۔ اس پر وہاں کی وسعتِ شاہراہ کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

خواہ سرِ راہ کے ان پر چونا نہیں پڑتا تھا یعنی سفید کاری مدتوں نہیں ہوتی تھی۔ محرم کا مہینہ آیا تو عاشور خانوں میں سفید کاری ہوتی تھی۔ یا آنکہ جس مکان میں شادی وغیرہ ہوتی تھی اس کی سفید کاری ہوتی تھی۔ اس کے سوائے نہیں اگرچہ برسوں گزر جائیں۔ اس وجہ سے کوچے وغیرہ اکثر بد رونق تھے۔ شاہ راہ میں اکثر پتھر گٹی یعنی پتھروں کا فرش ناہموار تھا۔ زمانۂ دراز کے مرور و عبورِ مخلوق سے پتھر گھس کر اس قدر صاف ہو گئے تھے کہ انسان اور چارپایوں کے پاؤں خصوصاً موسم بارش میں پھسل جاتے تھے۔ کہیں شاہ راہ بغیر فرش سنگ کے تھی لیکن پست و بلند۔ جا بجا کیچڑ۔ عام شاہ راہوں کی تنگی کا یہ حال تھا کہ دو بنڈیاں یا دو رتھ ایک ادھر سے اور ایک ادھر سے۔ تو ان دو میں سے جس کسی کو ذرا کشادہ مقام ملتا تو وہاں اپنی بنڈی یا رتھ کو ہانکنے والا روک لیتا تھا تاکہ دوسری بنڈی وغیرہ جو سامنے سے آرہی ہے بازو سے گزر جائے اور ٹکر نہ ہو۔ جس وقت کڑبی سے لدا ہوا ہاتھی گزرتا تھا تو اکثر مقاموں پر اس ہاتھی سے راستہ بھر جاتا تھا۔ اور مقابل سے کوئی گھوڑا یا میانہ وغیرہ آتا تو اس کو واپس ہو کر کسی گلی میں یا قدرے کشادہ مقام پر جا کر ٹھہر جانے کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا دوکان دار ویسے ہاتھی کی آمد دیکھ کر اپنی ٹٹیاں وغیرہ سائبان دوکان پر کی جلد نکال لیتے تھے اور جو نکال لینے نہیں پاتا تھا اس کی ٹٹی اور سائبان کڑبی کے صدمے سے ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے۔ جس مکان سفالی کی اونچی

چمار لوگ جوتے بیچنے وہاں بیٹھتے تھے اس لئے حلو خانہ موصوف کا چھوٹا دروازہ شمال رُخ چماری دروازہ مشہور ہوگیا تھا چنانچہ اب تک بھی بعض قدم لوگوں کی زبان پر اس دروازہ کا وہی نام آجاتا ہے۔ الغرض چماروں کے بیٹھنے کا چبوترہ اور اس کے عقب کا لاڑ بازار یہ ہر دو چماری دروازے سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ بعہد وزارت نواب صاحب مغفور توسیع شاہراہ میں وہ ہر دو نکالدیے جانے سے قدیم دروازہ موصوف راستے پر آگیا ہے اور یہ توسیع شاہراہ کی ایک جانب سے نہیں بلکہ حسب ضرورت ہر دو جانب سے ہوئی ہے۔ علی ہذا القیاس چارمینار کی ہر دو شاہراہیں ویسی ہی تنگ تھیں کہ ہر شاہراہ میں کے دو جانبہ ملگیات چبوترے اور سائبان ہمیت منہدم کر دے گئے ہیں تب کہیں ایسا وسیع راستہ قرار پایا ہے اور ملگیات پختہ عہد قطب شاہان جو شاہراہ جانب جنوب و شمال میں باقی اور چھپی ہوئی تھیں وہ باہر نکل آئی ہیں۔ پس اس حساب سابق شاہراہوں کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس وسعت کی تھیں راستے ناہموار۔ کچرا کوڑا جا بجا پڑا ہوا کیوں نہ ہوتا محکمہ صفائی کا وجود ہی جب نہ تھا تو انتظام صفائی کیسا۔

چوک میں اب جہاں گھڑیال اور چمن بندی ہے وہاں ایک چبوترہ ابن مشہور کرامت شاہ کی قبر تھی۔ رو ال سوسی۔ کھادی وغیرہ بیچنے والے اور ہتیار بیچنے والے کھلے میدان میں دو پہر سے دوکانیں لگاتے تھے۔ پرندہ فروش میر شکاری بھی ایک طرف بیٹھتے تھے۔ بیچ میں سے ایک نالہ غلیظ پانی کا ہمیشہ

چارسو کا حوض جو فی الحال گلزار حوض کہلاتا ہے از بسکہ خشک و خستہ و غلیظ رہتا تھا سو کا حوض مشہور ہوا تھا۔ مؤلف نے بچشم خود دیکھا ہے اور اکثر سن لوگ دیکھے ہوئے موجود ہیں کہ حوض مذکور میں مٹی کے ظروف بیچنے کے لئے رکھتے تھے اور غلاظت پڑی رہتی تھی۔

چارمینارہ بھی خستہ حال تھا یعنی سیڑھیاں وغیرہ بھی ٹوٹی ہوئیں۔ اس کے اندر کا حوض بھی ہمیشہ خشک و غلیظ رہتا تھا۔ اور چار مینار کے اندر ٹٹیاں وغیرہ لگاکر دوکانیں لگائی جاتی تھیں۔ کچرا کوڑا پڑا ہوا۔ اُجرت سے لکھنے والے کاغذ و قلم و دوات لئے ہوئے دن کو بیٹھے رہتے تھے۔ ایک طرف کو کسی فقیر نے اپنا مسکن بھی بنا لیا تھا۔ اور چار مینارہ عربوں کی بندوقوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ روزانہ گولیوں کی مار سے چھلنی ہوگیا تھا۔

نیز اوپر کے حصہ میں بعض جا پیپل وغیرہ کے درخت نکل آئے تھے۔

حضوری جلوخانہ کا چھوٹا دروازہ شمال رویہ تک اونچا چبوترہ تھا اس پر چار لوگ سرخ نری کے جوتے لاکر دو پہر سے شام تک بیچنے کو بیٹھتے تھے۔ ان کے سوائے لنگیاں۔ ازاربند وغیرہ بیچنے والے بھی بیٹھتے تھے۔

اس چبوترے کی پشت پر پردے پڑے ہوئے رہتے تھے۔ ان پردوں کے اندر ایک سیری آدمیوں کے چلنے کی۔ اس کے بعد کرسی و ارگلیات اس میں کناری گوٹا مشروع۔ ہمرو۔ بیچنے والے بیٹھتے تھے وہ لاڑ بازار کہلاتا تھا۔

دور دور سے یہاں چلے آرہے ہیں اور پرورش ہو رہے ہیں یہ پرورش کسی ریاست میں نہیں ہے ۔ خداوند عالم بحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے زیادہ برکت اس ریاست کو عطا فرمائے سبحان اللہ کلام الملک ملک الکلام غفران منزل اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ خدا تعالی دہلی کی ریاست کو ہمیشہ آباد رکھے ۔ یہ سن کر ایک مرتبہ کسی مقرب بارگاہ نے عرض کی کہ پیر و مرشد پہلے اپنے ملک کے لئے دعا لازم ہے ۔ جواب ارشاد ہوا کہ دراصل یہ دعا اسی ملک کے واسطے ہے کہ اگر خدانکردہ وہ ریاست تباہ ہو جائے اور وہاں کی مخلوق یہاں آئے تو لامحالہ اس ملک والوں کے لئے باعث تنگی روزگار کا ہوگا۔ غفران منزل کو جس امر کا اندیشہ تھا آخر وہی ہوا ۔ علاوہ براں مدمنصب میں تخفیف تدریجی لاحق ہو گئی ہے حالانکہ ایک ایک منصبدار متوسط کے گھر دس پانچ بندگانِ خدا اور بیوگان و یتیم پرورش ہوتے ہیں اور شب و روز ولی نعمت کے حق میں اور بقائے سلطنت کے لئے دست بدعا ہیں ۔ پس حسب ارشاد مجیب الدعوات (اُدْعُونِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ) یہ تنخواہ بیکار نہیں بڑا کام کر رہے ہیں ۔ نیز یہ زمرۂ منصب منجملہ تزک سلطنت آصفجاہی اور موجب برکت و بقائے شاہی ہے چنانچہ اسی لحاظ سے مغفور اوّل سادانائے روزگار و خیر خواہ سرکار نے جس طرح مداخل ریاست میں ترقی دی ہے اسی طرح پرورش بندگان خدا میں بھی توفیر کی ۔

بہتا تھا چونکہ وہ مقام نشیب تھا اس لیے جب کبھی زور کی بارش ہوتی تھی چوطرف کا پانی جمع ہوکر چوک ایک تالاب ہوجاتا تھا اور ملکیات زیر مسجد وغیرہ غرقاب ہوجاتی تھیں۔

افضل گنج کا پل جس کا ذکر آیندہ ہوگا جب تیار ہوا تو ساتھ ہی دروازہ بھی جدید تعمیر ہوا۔ ورنہ قدیم دہلی دروازہ میں سے ندی پار جانے کا راستہ تھا۔ ندی کی اس جانب مہاراج گنج۔ بیگم بازار۔ کاروان۔ وغیرہ پرانے پل تک کہیں کہیں آبادی تھی۔ باقی تمام ویرانہ۔ اب جہاں افضل گنج و مسجد افضل گنج ہے وہ تمام کالی زمین ریگڑ کی پست و بلند تھی۔ رزیڈنسی چھاونی تک شاید کہیں کچھ مکانات دیول وغیرہ ہوں ورنہ تمام ویرانہ تھا۔ ادہر اسٹیشن اور مقام باغ عام حسین ساگر کا تالاب توپ کا سانچہ۔ رنیول کے احاطہ سے لے کر رزیڈنسی کی چھاونی تک تمام صحرا و ویرانہ تھا۔ فی الحال جس بنگلے میں نظام کالج ہے اس مقام پر ایک مختصر قدیم بنگلہ تھا اس کو رنیول کی کوٹھی کہتے تھے۔ اب بفضلہ و باقبال خسروی و بریاضت مختار الملک مغفور اول یہ شہر اندرون و بیرون آراستہ و آباد امن و امان میں ہے۔ آبادی و تعمیر امکنہ روز افزوں کثرت مخلوق از حد بیرون بحمد اللہ یہ ملک تمام اہل بلاد ہندوستان کا مرجع و امید گاہ بنا ہے خصوصاً ۱۲۹۱ھ سے یعنی جب سے کہ ریل حیدرآباد میں آگئی ہے اطراف و کناف سے مخلوق آئی اور آرہی ہے۔ لائق تو لائق ہیں ضعیف نود سالہ اور معذور و ناکارہ بھی ہیں تو

کاش درصورت ضرورت تخفیف مغفور اوّل کی وہ تدبیر جو موازنہ مذکور میں تلافی ہے جس کا ذکر آئندہ آوے گا منظور و معمول سرکار عالی ہوتی کہ اس سے مقصود سرکار بھی حاصل ہوتا اور منصبدار بھی بحال رہتے۔ بحمد اللہ منصبداروں کی اب وہ حالت سابق بھی نہیں رہی ہے بلکہ متعدد کارگزاری و نیمنی خدمات ہیں۔

افسوس ہے بدقسمتی پر منصبداروں کی کہ مغفور اوّل کی تجویز و ہدایت پر جو عین بہی خواہی اہل منصب پر مبنی تھی مطلق عمل نہ کیا اور وقت کو ہاتھ سے دیا۔ اس کی کیفیت فصل آئندہ بیان ضلع بندی میں ناظرین ملاحظہ کریں گے۔

تراب علیخان بہادر سر سالار جنگ شجاع الدولہ مختار الملک جی سی ایس آئی

۱۲۴۴ھ ۱۳۰۰ھ

بابِ دُوم

مجملاً بیان ریاضت و جانفشانی سالارجنگ مختارالملک مغفور اوّل انتظام ملک و رفاہ عام میں اور واقعات من ابتدائے مدارالمہامی الیٰ آخرہ

واضح ہو کہ مختارالملک مغفور اول کے اجداد وغیرہ بزرگوں کا حال اجمالی مقدمۂ کتاب میں ہر ایک کے نام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے نیز کسی قدر خاندانی کیفیت مع کیفیت شادی وغیرہ نواب صاحب مغفور ضمیمہ سے منکشف ہوگی۔

اب خاص حسب و نسب کا ذکر اجمالاً یہ کہ نواب میر تراب علی خان بہادر سر سالارجنگ شجاع الدولہ مختارالملک فرزند نواب میر محمد علی خان بہادر سالارجنگ شجاع الدولہ و نبیرۂ نواب منیرالملک بہادر ثانی و نبیرۂ حقیقی میر عالم بہادر تھے۔ ان کے والد شجاع الدولہ کی شادی نواب شہاب جنگ افتخار الملک بہادر جو فی الحال معین المہام متفرقات سرکار عالی ہیں ان کے جد امجد نواب سید کاظم علی خان بہادر

اس زمانے کے عربی۔ فارسی۔ ریاضی وسیاق کی تعلیم پائی۔ گھوڑے کی سواری اور ورزش بھی تھی کسی قدر ہوشیار ہونے کے بعد ذاتی طور سے تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھی۔ اس زمانے میں باقاعدہ انگریزی علم کے معلم ملکی زبان جاننے والے اور کتابیں جیسی کہ اب ہیں کب میسر ہوتی تھیں۔ بہرحال۔ ایک من علم را دہ من عقل می باید۔ یہ مثل مختار الملک مغفور ہی کے لیے مصادق آتی تھی۔ جیسا کہ دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے

اس زمانے میں مولف کے والد جو کہ فارسی کے اہل زبان اور نہایت خوش لہجہ وخوش بیان تھے حسب الحکم سراج الملک بہادر اتالیقی وتعلیم زبان فارسی کے لئے مغفور اول ممدوح کی خدمت میں متعین رہ کر ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ اس لیے مولف نے والد مرحوم سے سنا ہے کہ نواب صاحب مغفور عہد صاحبزادگی میں اپنے چچا سراج الملک بہادر کے اکثر انتظامی امور کو ناپسند فرماتے تھے اور بجائے خود پیچ وتاب کھاتے تھے۔

عہد صاحبزادگی میں بھی ایسا اعتبار نواب صاحب مغفور کا ساہوکاروں کے نزدیک تھا کہ سراج الملک بہادر باوجود مدار المہامی لاکھ دو لاکھ روپے مصارف ریاست کے لیے قرض مانگتے تو ساہوکار ان کے برادر زادہ کی جو کم چاہتے تھے سراج الملک بہادر اپنے ہونہار برادر زادے سے یعنی سالار جنگ بہادر سے جو کم کے خواہاں ہوتے تھے تو عرض کرتے تھے کہ فدوی جو کم کے لئے حاضر ہے مگر اس قرض کی ادائی کا انتظام کرنے کے لیے کوئی تعلقہ سپرد فدوی کیا جائے تو مناسب ہے چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب ہونہار برادر زادہ کی ذکاوت ولیاقت دیکھی تو بعض امور

مختار الدولہ کی دختر زینت النسا بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ مختار الدولہ بہادر موصوف امرائے سلطنت سے تھے۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کے بطن سے ارسطوئے زمن مایۂ ناز و افتخار ہند و دکن نواب مختار الملک مغفور اوّل ۱۲۴۴ھ م ۲ جنوری ۱۸۲۹ء میں متولد ہوئے۔

صغر سنی میں والد کا سایہ اٹھ گیا اور نواب نیر الملک بہادر ثانی جد امجد جو اس نبیرہ کو نہایت چاہتے تھے جن کے چاہنے کی کیفیت عجیب ضمیمہ سے ناظرین پر ظاہر ہوگی۔ وہ بھی مرحوم ہو گئے۔ خورد سالی میں جو سخت علیل ہوئے تھے تو اس کے سبب سے آغاز شباب تک لاغری و نقاہت لاحق رہی توانائی میسر نہ ہوئی۔ ایسی حالت میں تو کسی طفل کو تعلیم کا بار دینا مناسب نہیں جانتے ہیں چہ جائیکہ امیرزادہ اور تمام گھر کا ایک چراغ۔ اس کا جینا ہی غنیمت سمجھتے ہیں فلہٰذا زمانۂ تعلیم کے کئی سال یونہی گزر گئے۔ بارہ تیرہ سال کی عمر سے کم کم تعلیم شروع ہوئی اور بتدریج پڑھائی ہونے لگی کہ ہرج نہ ہو۔

سراج الملک بہادر جو عمو اور سرپرست تھے اکثر مبتلائے افکار رہتے تھے۔ بوجہ قرضۂ پدری و عتاب غفران منزل جملہ جاگیرات ضبط۔ صرف ایک دو گاؤں قلیل محاصل کے بپاس خاطر صاحبہ بیگم صاحبہ مغفورہ جو کہ دختر میر عالم مرحوم اور جدہ ماجدہ مختار الملک مغفور کی تھیں چھوڑ دیئے گئے تھے اسی میں سب کی بسر ہوتی تھی۔ صاحبہ ممدوحہ کی ہی سرپرستی میں مختار الملک مغفور کی تعلیم و تربیت تھی حسب رواج

اس مقام پر مولّف کو تاریخ رشید الدین خانی کے مولّف کا یہ قول غیر صحیح یاد آیا جس کی اصل عبارت یہ ہے کہ بعد انتقال سراج الملک حضور پر نور تجویز میں تھے کہ اہل دفاتر و کارپردازان سرکار چھٹ والدہ سے سراج الملک بہادر کی سوال و جواب کر کے سالار جنگ بہادر بن شجیع الدولہ بن منیر الملک بہادر مرحوم کو تجویز کر کے معروضہ کئے اور مزاج کو خود بدولت کے کہہ سن کر سرفرازی پر اُن کی لے آئے الخ۔

اس بیان کے غیر صحیح ہونے پر وہ خط نواب صاحب مغفور کا جو بعد انتقال سراج الملک بنام مسٹر ڈاینٹن لکھا تھا دال ہے جس کی نقل مرقع عبرت میں مرقوم ہے۔ اس کا خلاصہ یہ کہ چند روز سے میرے چچا صاحب کو بخار وغیرہ کی شکایت چلی جاتی تھی لیکن بیسویں ماہ گزشتہ کو ان پر اس قدر مرض وضعف کا غلبہ ہوا کہ نشست و برخواست سے بالکل معذور ہو گئے۔ باوجود شدت علالت کے جب ان کو قدرے افاقہ ہوا تو بروز شنبہ شریک دربار ہوئے اور حضور کی طرف سے گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ معاہدۂ جدید کی تحریر و تکمیل کی۔ اس کے بعد ان کی حالت ابتر ہو گئی۔ مرض نے لحظہ لحظہ ترقی کرنی شروع کی۔

چوبیسویں تاریخ روز دوشنبہ حسب صلاح ڈاکٹر میکلین نقل مکان کیا گیا اور بسنت جی کے مکان واقع چادر گھاٹ پر اُن کو لے گئے۔ تو بھی ان کی حالت آناً فاناً ابتر ہوتی گئی۔ آخر کار چھبیسویں ۲۶ روز پنجشنبہ سات بجے شام کو انتقال فرمایا۔ تیسویں کو بروز دوشنبہ حضور پر نور نے دفعتاً مجھ کو یاد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ

انتظام ملکی میں برادر زادہ سے مشورہ بھی لینے لگے تھے۔

مسٹر ڈائیٹن جو سابق میں سرکار عالی کا انتظام کرتے تھے ان کے ساتھ نواب صاحب مغفور نے تعلقداری کر کے مال کے کام کا بخوبی تجربہ حاصل فرمایا تھا۔ نیز نظم جمعیت کے کام سے واقف ہو گئے تھے۔

۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۴۹ء میں اعلیحضرت نواب ناصر الدولہ بہادر نے سراج الملک بہادر کو جب دوبارہ عہدہ مدار المہامی سے سرفراز فرما کر جملہ معاش خاندانی واپس مرحمت فرمایا تو سراج الملک بہادر نے ان جاگیرات کو بغرض انتظام برادر زادہ موصوف کے اختیار میں دے دیا۔

سیدی عنبہ خانساماں سے مولف نے سنا ہے کہ یہ معاش یعنی جاگیرات واپس مرحمت ہونے کے لئے بسبب عدم زر نقد کئی لکھ روپیہ جواہر کی پیشکش غفران منزل ہوئی ہیں کیونکہ یہ جاگیرات قرضہ آبائی میں پھنس گئی تھیں اور حسب دستور عہد غفران منزل خزانہ شاہی سے تصفیہ قرضہ مذکور ہو کر جاگیرات داخل سرکار عالی ہو گئے تھے

المختصر جب ۱۲۶۹ھ میں بیمار ہو کر ماہ شعبان کی سترہ تاریخ کو روز پنجشنبہ سراج الملک بہادر نے انتقال فرمایا تو اس کے پانچویں روز یعنی بائیسویں کو ماہ مذکور کی روز دوشنبہ چھبیس برس کی عمر میں دفعتاً بلا درخواست مدار المہامی کی خدمت سے نواب سالار جنگ بہادر سرفراز ہوئے۔

ان سے حزم و احتیاط اور کمال عزم و حزم نواب صاحب موصوف ہویدا ہے ۔ وزارت کی کشتی پر سوار ہونے کے وقت حالانکہ گرداب خسارت و تلاطم بدنظمی بحر ریاست صاف نظر آرہا تھا لیکن نواب صاحب مغفور کی عالی ہمتی و عزم جواں مردی نے کچھ اس کی پروا نہ کی اور نظر بخدا اوس کشتی پر گویا یہ کہہ کر سوار ہو گئے ؎

درین دریائے بے پایاں درین طوفان شور افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا

بفضلہ اس کشتی کو نہ صرف ساحل مراد تک پہنچا دیا بلکہ بحر سلطنت کو گرداب و تلاطم مذکور سے پاک و صاف کر دیا ۔

الحاصل مختار الملک مغفور خلعت دیوانی سے جب سرفراز ہوئے ہیں تو اہل دفتر و ارکین کو بنظر نحافت و کم سنی نواب صاحب مغفور یہ خیال تھا کہ یہ ابھی طفل نوجوان ہیں ان سے کیا ہونا ہے ۔ خصوصاً بعد رحلت غفران منزل و جلوس مغفرت مکان آصفجاہ خامس اکثر دیرینہ اشخاص بے خبر "ریاست جملہ بازیگاہ طفلان شد" کہنے لگے تھے کیونکہ رئیس و دیوان و پیشکار ہر سہ نوجوان تھے لیکن بعد ازاں معائنہ حسن انتظام و دانائی نواب صاحب مغفور تھوڑے ہی عرصہ میں کہہ اُٹھے ۔ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ۔ اسی اوایل زمانے میں جمشید جی معتمد مورد عنایات نواب صاحب مغفور کے تھے ۔ چونکہ نواب صاحب مغفور کے جوہر ذاتی کا ہنوز عام مخلوق کو یقین کامل نہ ہوا تھا تو ہر ایک کو یہ خیال تھا کہ بمشورت و رائے معتمد مذکور

دوسرے بھی حاضر رہیں اور صاحب رزیڈنٹ بہادر بھی اس وقت مدعو ہوں چنانچہ
اکیسویں ہے کو دربار ہوا اور بغیر میرے یاد ادی صاحبہ کی درخواست کے حضور پر نور
نے مجھے خلعت دیوانی اور راجہ نرندر بہادر کو خلعت پیشکاری مرحمت فرمایا۔
جی چاہتا تھا کہ عمّ مرحوم کی جاگیر پر قبضہ رہ کر گوشہ نشینی میں بسر کروں اور اپنی
عمر ان خدشات اور افکار میں نہ گزاروں جو عہدۂ دیوانی کے ساتھ متعلق ہیں خصوصًا
ان دنوں کہ حوادث گوناگوں سے ایک تلاطم پیدا ہے۔
لیکن ممکن نہ ہوا اور میرے یورپین اور ہندوستانی دوستوں کی یہ صلاح
قابل تسلیم نظر آئی کہ اگر میں اس عہدے سے انکار کروں گا تو میں اور میرا خاندان تباہی
میں پڑجائیگا۔
اگر خدا نے چاہا تو حتی المقدور کوشش کروں گا کہ اس سلطنت کو انواع انواع
پیچیدگیوں اور طرح طرح کی الجھنوں سے نکالوں اور انتظام درست کروں۔
مسٹر بائی سن کے خط میں جو ایما جواہرات کے فروخت کا ہوا تھا میں امید
کرتا ہوں کہ آپ اس میں ابھی تھوڑے دنوں توقف کریں گے۔ آپ سچ سمجھئے کہ
جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا میں روپیہ دے کر فک رہن میں کوشش کروں گا۔"
یہ اسی جوہر کا ذکر ہے جس کو نواب ناصر الدولہ بہادر غفران منزل نے برائے
ادائی قرضہ رہن فرمایا تھا۔
نواب صاحب مغفور نے اس تحریر کے آخر میں جو خیالات اپنے ظاہر فرمائے ہیں

وہ یہاں رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ منجملہ اطفال مذکور فرامرز جنگ بہادر صوبہ دارات تک موجود ہیں۔ مقام غور ہے کہ باوجود اس قدر عتاب کے مغضوب کی اولاد کا لحاظ مدنظر رکھا بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است — چو رگزن کہ جراح و مرہم نہ است

اس زمانے میں باعث اخراج جمشید جی معتمد مذکور عتاب غفران منزل بھی مشہور ہوا تھا یعنی غفران منزل کو بھی یہی خیال ہوا تھا کہ معتمد مذکور دخیل امور وزارت ہے۔ بہرحال نواب صاحب مغفور نے ایسے معتمد کو دفعتاً بلا تامل جب خدمت سے بلکہ ریاست سے دور فرمایا تو اس وقت سب کی آنکھیں کھل گئیں اور یقین ہو گیا کہ یہ وزیر جو ہر ذاتی رکھتا ہے کسی کی امداد کا محتاج نہیں۔

واضح ہو کہ اس وقت کے انتظام محاصل و کمی مداخل و افزونی مخارج سرکاری متعلق دیوانی کی کیفیت جو کچھ تھی باب اول میں مجملاً بیان ہو چکی ہے۔ علاوہ براں اسی زمانے میں تعلقات برار و رائچور دوآب و ملدرگ محاصلی تریتالیس لاکھ ستنالیس ہزار نوسو تیس ۳۰ روپے اور تعلقہ بھوم و الپور وغیرہ علاقہ دیوانی سے بابید ادائی قرضہ سرکار عظمت مدار میں اور سود و تنخواہ کنٹنجنٹ میں بطریق تعلقداری امانی سرکار عظمت مدار کے سپرد جو کئے گئے تھے اس سے بھی محاصل دیوانی میں کمی ہو گئی تھی۔

ہرچند ظاہراً دیوانی سرکار عالی دو بار عظیم سے سبکدوش ہو گئی تھی۔ ایک قرضہ بقایائے تنخواہ کنٹنجنٹ کے۔ دوم جمعیت کنٹنجنٹ کی ماہوار آیندہ دینے سے مگر دراصل اس معاملے کے نتیجے میں

انتظام ریاست ہو رہا ہے ۔ نیز معتمد صاحب کو بھی کچھ اس قسم کا ناز تھا چنانچہ جب آتے تھے تو مانند دیگر معززین کے ڈیوڑھی پر میانہ سے اترتے نہ تھے بلکہ اندر زینہ ہائے نور محل تک جو دیوان خانہ دربار عام ہے ان کا میانہ آتا تھا اس زمانے میں یہ بڑی خصوصیت تھی ۔ الحاصل بعد چندے نواب صاحب مغفور کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ شب کو ہم تنہائی میں جو تجویزیں کرتے ہیں اس سے دوسرے ہی روز مخالفین ہمارے واقف ہو جاتے ہیں یہ کیا ماجرا ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔ جب اس کی فکر ہو گئی تو بعض خیر خواہوں نے سراغ لگا کر جمشید جی کی نسبت خبر دی کہ در پردہ آپ کے مخالفوں سے ملے ہوئے ہیں ۔ نواب صاحب مغفور ایسے نہ تھے کہ بمجرد استماع خبر یقین کر لیتے اور در پے انتقام ہو جاتے لہٰذا یقین کامل حاصل کرنے کے لئے یہ کیا کہ ایک شب خبر رکھ کر بہ تبدیل لباس بذات خود گھوڑے پر سوار ہو کر مع سیدی عنبر خانساماں حد رزیڈنسی تک گئے وہاں سے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور پیادہ پا جمشید جی کے بنگلے پر پہنچے تو دیکھا کہ بنگلے کے پھاٹک میں ایک میانہ رکھا ہوا ہے ۔ جب پوچھا گیا تو کہاروں نے ایک مخالف نواب صاحب کا نام لیا کہ یہاں آئے ہوئے ہیں اور یہ میانہ ان کا ہے ۔ جب اس طرح تحقیق فرما کر واپس ہوئے تو اسی وقت شب کو بنام رزیڈنٹ بہادر رقعہ لکھا کہ صبح ہونے ہی جمشید جی کا اخراج ہو ۔ اس حکم نواب صاحب کی تعمیل جب صبح کو ہوئی اور جمشید جی مع عیال و اطفال چلے تو نواب صاحب مغفور نے کہلا بھیجا کہ اطفال بے گناہ کو ہمراہ لے جانے کی کیا ضرورت ہے

ان تمام امور متذکرہ کا تصفیہ و انتظام آسان نہ تھا۔ اور اخراجاتِ معمولی کے لئے افزائش محاصل کا بندوبست اہم ترین انتظام دیوانی تھا۔ حالانکہ صرف یہی ضروریات و مشکلات نہ تھے بلکہ درستی و خوبی انتظام سرکاری کے لحاظ سے ہر تعلقہ و ہر ضلع میں دیوانی و فوجداری عدالتیں قایم کرنے کے لئے اور ان عدالتوں کی نگرانی کا اہتمام و انتظام صدر میں کرنے اور برائے بہتری انتظام مالی عہدہ داران متغیر و بیش قرار مواجبی مقرر کرکے تعلقات دیوانی امانی میں رکھنے کے واسطے اور دوسرے علیحدہ سررشتے اہتمام محاصل غیر اراضی کے لئے اور اجرائے پیمائش اراضی و تشخیص و تقرر دہارا کے لئے اور انتظام تعلقداری ضلع واری کے لئے جس سے ڈکیتی اور خونریزی و رہزنی وغیرہ کا انسداد ہو۔ اور تعلقات و اضلاع میں جمعیت کوتوالی ایجاد کرنے کے لئے ٹوٹے ہوئے نالاوں کو ترمیم کرنے اور آبپاشی کے واسطے نالے بنانے کے لئے۔ بلدہ کی اور دیہات کی سڑکیں درست کرنے کے لئے اور تعلقات میں انتظام تعلیم کے لئے۔ اور سرکاری شفاخانے اضلاع میں جاری کرنے کے لئے۔ مصارف صفائی بلدہ و دیہات کے لئے۔ اہتمام ٹپہ اور اجرائی ریل۔ نیز اتفاقی و ناگہانی اخراجات از قسم قحط وغیرہ کے لئے خزانہ کافی و وافی چاہیئے تھا۔ مگر مقام غور ہے کہ اس قدر مشکلات کا سامنا اور حل ہونا ان تمام مشکلات کا منحصر ذخیرہ خزانہ کثیر پر تھا۔ اور حالت مملکت یہ کہ خزانہ دیوانی خالی قرض کمیاب۔ تعلقات جو عاملان سابق کے تفویض کئے گئے تھے ان کی رقم محاصل صرف تخمیناً بہتر لاکھ چوراسی ہزار ایک سو بہتر روپے باقی رہ گئے تھے۔

کئی دعوے قرضے کے اور زیر باریاں حد سے زیادہ تھیں۔ یعنی جو جاگیردار ملک
وغیرہ سے خارج ہو گئے تھے۔ جیسے کہ جاگیرداران ایلچپور و جاگیردار مجوم راجہ راؤ
اور سلطان نواز جنگ۔ دلاور جنگ۔ بڈھن خاں عبداللہ بن علی عمر بن عوض وغیرہ و سے
اپنی جاگیرات کا معاوضہ طلب کر رہے تھے۔ ان میں ہر ایک کا دعویٰ رقم خطیر
ساتھ یعنی پانچ لاکھ سے تیئیس لاکھ روپے تک تھا۔ اقربایان خاص کی او
منصبداروں کی ماہواریں جو ایک رقم کثیر ہوتی ہے بغیر جائداد کے تھیں۔
سکھوں کی جمعیت جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے بقایائے تنخواہ کے لئے دو لنخ
حضور پر نور پر دنگا بیٹھی تھی۔ نیز دوسرے مطالبے والے مانند سلطان غالب
و بالا سود و قلندر بیگ وغیرہ و اہل رسالۂ خاص بھی دنگا کر رہے تھے۔ چنانچہ
دولت خانے پر سے نکالدینے کے لیے حکم ہوا تو قلندر بیگ لڑ بھڑ کر مارا گیا۔
جواہرات مرہونہ رقمی ساٹھ لاکھ روپے جس کو ڈسٹین صاحب لندن لے
تھے اس کو رہن سے چھڑانے۔ اور بڑا الماس جو ساہوکاروں کے پاس رہن تھا
اس کو فک رہن کرنے کے لئے پیشگاہ حضور پر نور سے تقاضا ہو رہا تھا۔ اس کے
سوائے تعلقات برار جن لوگوں کے رہن میں تھے ان سے بغیر ہنگامہ و فساد کے
گزاشتیں لے کر صاحب عالیشان کو دینا ضروری تھا۔ اور کئی رقمیں از رقم برآمد
تنخواہ وغیرہ دینے کی تھیں۔ ساہوکاروں کے قرضے کی بھی رقم کثیر تھی یعنی دو
ستر لاکھ روپیہ تخمیناً ہوا تھا۔ واگزاشت تعلقات جمعداران عرب وغیرہ

ناجائز جن کی تفصیل بیانِ حالات زمانہ سابق میں بتلائی گئی ہے وہ تمام موقوف کر دینے کے سوائے دوسرے بعض ابواب مال و محصولات جن کی تفصیل معتد بہ تھی اور تمام ممالک محروسہ میں مانند مالگزاری کے وصول ہوتے تھے اور رعایا کو ناگوار بھی تھی۔ وہ بھی معاف کر دیے گئے۔ بایں لحاظ کہ مالگزاری اراضی کے صیغہ سے خواہ بنام زراعت یا ابواب یا پٹیات قرار دے کر رعیت کاشتکار سے جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ سب ایک ہی رعیت سے یا اسی ایک قطعہ زمین کی پیداوار سے لیا جاتا ہے۔ پس رعایا پروری سے بعید ہے کہ مختلف ناموں سے اور جداجدا طریقے پر رعیت سے روپیہ لینے کا طریقہ جاری رکھا جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ زیادہ ستانی و بدنظمی زمانہ سابق سے رعایا شکستہ خاطر و نادار ہو گئی ہو اور طاقت ادائے مال واجب کی جو عین المال ہے نہ رکھتی ہو علی ہذا القیاس سائر و بدیہی اور درآمد غلہ او مختلف کے محصولات جو مانع تجارت و حرفت تھے معاف کر دیے گئے۔ زہے انصاف و ترحم نواب صاحب مغفور ابواب و محصولات جو کہ معاف کر دیے گئے ان کی سالانہ رقم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بابت	رقم سرشتکن سالانہ
پٹیات خفیف و متفرق	[illegible]
امرائی	[illegible]
بنجرائی	دو آنہ [illegible]
شہر سدہارنی	[illegible]

سو وہ معمولی اخراجات کے لئے بھی ناکافی تھے ۔ چہ جائیکہ اس سے حل مشکلات موجودہ میں کامیابی کی امید اور مصارف آئندہ کو کافی ہونے کی توقع رکھی جاتی ۔

چونکہ بغیر سرمایہ کافی و خزانہ کثیر ملک و ریاست کا کوئی انتظام خوبی کے ساتھ انجام نہیں پاسکتا ہے لہذا نواب مختار الملک بہادر کو لازم ہوا کہ اس عمل جدید میں زمینات خالصہ کی افزائش اور محاصل سرکاری کی ترقی اور تخفیف اخراجات غیر ضروری کی اور تجویز ان مصارف کی جو مناسب موقع پر تہذیب و بہتری ملک میں ہوا کی جائے ۔ چنانچہ اصل تدبیر وعین کوشش افزائش محاصل و آسائش رعایا کے لئے یہ کی گئی کہ دیوانی کے تعلقات جو سابق کے عاملوں کو بطور تعلقداری امانی اور تنخواہ داروں کو بطور تنخواہ جاگیر کے سپرد کئے تھے ۔ یا ٹھیکہ داروں کو تعہد دئے گئے تھے وہ سب رفتہ رفتہ واگذاشت کرلے کر دیوانی کے اہتمام و انتظام میں لیئے گئے اور تشخیص و تحصیل رقم خام میں امانی کئے گئے ۔ اسی طرح جاگیریں اور انعامات اراضی جو معتبر سند نہیں رکھتے تھے یا عطا حاکم مقتدر کی نہ تھی وہ خالصے میں لے لئے گئے ۔ اور انتظام مالگزاری و آبکاری میں جدید و مفید تجویزیں عمل میں لائی گئیں یعنی ٹھیکہ داروں کی موقوفی اور ناجائز پٹیات جو ٹھیکہ داروں کے ایجاد کئے ہوئے تھے اور موجب اذیت رعایا تھے جس کی آمدنی سالانہ قریب تیس لاکھ روپے تھی موقوف و معاف کردی گئیں ۔ نیز بٹائی اور گذم کے طریقے کی مسدودی اور دھارے کی رقم نقد کا تعین اور کمال اہتمام پابندی قول میں ۔ نیز رواج دینا پیمائش پختہ کا اور تشخیص دھارے کی بمعاد سی سالہ ۔ اور پٹیات

ایسے آقا کو راضی رکھنا یہ لیاقت خدا نے مغفور ہی کو دی تھی۔ بعد غفران منزل عہد مغفرت مکان میں وہ مجبوری نہ تھی تو بھی مصاحبین مغفرت مکان کی اشتعالک دفتنہ پردازیوں کی وجہ سے نواب صاحب مغفور دل کھول کر انتظام کر نہیں سکتے تھے۔ ایک نہ ایک امر میں معاندین مغفرت مکان کو برافروختہ کر دیتے تھے۔ ایسے زمانے میں جان پر کھیل کر جو کچھ انتظام کیا وہ مغفور ہی کا کام تھا۔ اور جو دقتیں اور کاہشات لاحق ہوئے ہیں جس کا ذکر عہد مغفرت مکان میں کیا جائے گا۔ اس کو مغفور ہی جانتے تھے یا اس زمانے کے وہ لوگ جو اہل فہم و باخبر تھے۔

بعد مغفرت مکان ۱۲۸۵ھ سے البتہ نواب صاحب مغفور کو خاطر خواہ انتظام کرنے کا موقع میسر ہوا اور مختار الملک اسم باسمّی ہوئے۔

بوجوہات متذکرۂ بالا انتظام کوتوالی و عدالت و امنیت بلدہ و بیرون بلدہ جیسی کہ چاہیئے مغفور اوّل دیوان ہونے کے بعد بھی کئی سال تک نہ تھی اگرچہ کوتوالی و عدالت کا انتظام بتدریج ہو رہا تھا لیکن علاوہ وجود متذکرہ کے مغفور کو ابتداءً مالی و ملکی امور سترگ کی اصلاح میں زیادہ تر مصروفیت رہی کہ پہلے اس کی اصلاح لازم تھی۔ نیز در اصل جملہ امور ریاست کی اصلاح ایک انسان سے وقت واحد میں ممکن بھی نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ مخلوق یہاں کے قانون سے ناواقف محض۔ اعلاؤں کے دماغ میں خود حاکمی سمائی ہوئی۔ عام ہنبار بند متمرّدی و شورہ پشتی کے عادی۔ جس کا ذکر باب اوّل میں کیا گیا ہے۔ نگاہوں میں نہ کوتوالی کی کوئی

بابت	رقم سرشکن سالانہ
سائر و بدیہی	[illegible]
محصول درآمد غلہ	[illegible]
محترفہ	[illegible]
تخفیف در محصول پنبہ سرنج و نیل وغیرہ	[illegible]

تاآنکہ رعایا عام طور پر اطمینان و امن و آرام کے ساتھ زراعت و تجارت کی ترقی میں مشغول ہوی۔ اور ادھر محاصل میں روزانہ ترقی ہونے لگی۔ اور سرکار قرضداری و زیر باری سابقہ سے سبکدوش ہوئی۔ آمدنی وخرچ افراط و تفریط سے اعتدال کے درجہ پر آیا بلکہ آمدنی افزونی دکھانے لگی۔ اسی اثنا میں خوبی اقبال سرکار عالی اور حسن عمل وزیر با تدبیر سے کئی تعلقات بھی ملک آبائی سے واپس آ گئے الخ

ایک خزانہ عامرہ قایم کیا گیا۔ دفتر صدر محاسبی۔ دفتر مہتمم خزانہ۔ دفتر مہتمم تقسیم منصبداران قرار پایا۔ بفضلہ سرکاری اعتبار بہت کچھ بڑھ گیا۔ سلطنت پر رونق پکڑ گئی۔ نواب صاحب مغفور کو خصوصاً آغاز دیوانی کے تخمیناً تین سال تک سب سے زیادہ دقت و مجبوری تھی کیونکہ غفران منزل انگریزی قانون وغیرہ کے نام سے نہایت برہم ہوتے تھے۔ پس اس لحاظ کے ساتھ انتظام ملک کرنے میں مغفور کو سخت مشکل کا سامنا تھا۔ اور سرکار انگریزی سے اتحاد بڑھانا اور اپنے

باوجود مختار الملک مغفور ساعدار المہام جناب سرگرم انتظام ملک رہنے کے اہل ملک اپنی اس رفتار قدیم پر قائم تھے۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس زمانے میں خودسری و آزادی کیسی تھی۔ اور یہ بھی غور کے لائق ہے کہ نواب صاحب مغفور کی طبع مہذب و منتظم کے کسی قدر خلاف یہ طریقہ ہوگا۔ مگر کیا کر سکتے تھے۔ اس لیے سردست اہل ملک کی اس رفتار نامہذب سے چشم پوشی مناسب جان کر انتظام ملک ورفاہ خاص و عام میں مصروف رہے تاآنکہ اس امر خاص و مہم عظیم میں بفضلہ کامیاب ہوئے۔ اور خاص و عام کلہم مخلوق کے دلوں پر مغفور کی رفعت و عظمت چھا گئی۔ اس وقت مغفور کے ادب و تہذیب نے اثر بخشا اور وہ طریقے متروک ہو گئے۔ مانند طبیب حاذق کہ جب کسی مریض کا سبب مرض محض ناتوانی پاتا ہے تو اس مرض کا علاج نہیں کرتا بلکہ رفع ناتوانی کی فکر کرتا ہے اور طبیعت کو تقویت دیتا ہے تاآنکہ وہ مرض خود بخود زائل ہو جاتا ہے۔

الحاصل ایسے زمانے میں نواب صاحب مغفور ہی کا کام تھا جو بتدریج و تامّل کوتوالی اور عدالتوں کو ترقی دے کر جس کا ذکر موازنہ مذکور میں آیندہ آئے گا۔ سب کی نظروں میں یا وقعت کیا جس کی باعث ظلم کم اور انصاف زیادہ ہونے لگا۔ ابتدائے مجلس مرافعہ کی یہ صورت تھی کہ چاندنی کا سفید فرش اس پر تین رکن چھوٹے چھوٹے میز رو برو رکھ کر کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ تھوڑے زمانے کے بعد کٹگر دار اور نیچے چبوترے پر کرسیاں رکھی گئیں۔ اس پر حکام عدالت کا اجلاس

وقعت نہ عدالت کی کچھ حقیقت۔ عدالت موجودہ کا فیصلہ بفعل میں لیا ہوا مستغیث برسوں سرگرداں رہتا تھا تعمیل نصیب نہیں ہوتی تھی۔ تعمیل کیونکر ہوتی کہ ایک معمولی شخص کے بھی گھر پر بغرض تعمیل جاتے تھے تو وہ براہ تمرد تعمیل کنندہ کو واپس کر دیتا تھا چہ جائیکہ معززین و امراوغیرہ۔ ان کی ڈیوڑھی پر تو تعمیل کا خیال بھی نہیں جاسکتا تھا۔

نواب صاحب مغفور ایسے زمانے میں مدارالمہام ہوئے تھے کہ عموماً امراواہل مقدرت عیش دوست تھے۔ اکثر ناچ رنگ میں مشغول رہتے تھے۔ کسبیوں سے تعلق رکھنا عیب نہ تھا۔ اور ان کے ساتھ جس قدر ہوسکے سلوک کرنا باعث نام آوری و لازمۂ امارت جانتے تھے اگرچہ کتنا ہی قرضہ لاحق ہوجائے۔ گویا اس زمانے کا وہ فیشن تھا۔ چنانچہ مغفوراوّل مدارالمہام ہونے کے بعد بھی چند سال تک حسب عادت قدیم جمعداران ذی حشم وغیرہ بتاریخ ہجدہم ماہ رجب اپنی اپنی کسبی کو بازیور گراں بہا ولباس پرتکلف ہاتھی پر سوار کر کے اپنی جملہ جمعیت پیدل وسوار۔ ڈنکا۔ نشان عرب مرفعہ بجاتے اور ضامن بولتے ہوئے اس کی جلو میں دے کر روز روشن لنگم پلّی کے میلے میں روانہ کرتے تھے۔ اور خود بھی کسی بالاخانہ پر بیٹھ کر بہ کمال افتخار اس کی سواری دیکھتے تھے۔ اور اپنی معشوقہ تمام میلے میں حسن فروشی کے لئے جو پھرتی تھی دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ نشان وعلامات جمعیت سے میلے کے لوگ پہچان لیتے تھے کہ فلاں جنگ یا جمعدار کی یہ کسبی ہے۔

تعمیل فیصلہ جات کے لئے ایک محکمہ موسوم بہ محکمہ اجرائے اعمال قایم فرمایا۔ اس کا صدر بہادر موصوف کو قرار دے کر سمجھایا کہ ہنوز یہاں کے لوگ قانون سے ناآشنا و جاہل ہیں لہذا موقع و محل دیکھ کر کام کریں۔ مانند سرکار انگریزی کے کارروائی نہ ہو۔

بہادر موصوف کام کرنے لگے تا آنکہ ایک شخص پر حسب فیصلہ عدالت تعمیل جاری کی اور اس کا مال و سامان قرق کیا گیا۔ وہ شخص علاقہ دار محلات مغفرت مکان تھا۔ اس نے جاکر شکایت جوئی تو بنام نواب صاحب مغفور عتاب نامہ آیا کہ اب ہمارے علاقہ داروں کے ساتھ یہ برتاؤ ہونے لگا ہے۔ معتمد الدولہ بہادر نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ جب یہاں کی ایسی نازک معاملت ہے تو مجھ کو معاف رکھیں۔ یعنی استعفا دے دیا۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو عدالتوں کی وقعت قایم کرنے اور بہت دادرسی رعایا ہونے کے لئے جو فرض سلطنت ہے نواب صاحب مغفور نے واقعی بڑی بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں۔ حتیٰ یہ کہ اُسی زمانے میں محلّ خاص نواب صاحب مغفور نے ایک اصیل کو بالزام سرقہ اپنے ملازمین سے مار کھلوایا تھا۔ اس اصیل کے دعوے کی بنا پر عدالت سے حسب قانون بنام محلّ موصوف طلب نامہ جاری ہوا تو جواب دہی کے واسطے اپنے محلّ کی جانب سے بذاتِ خود نواب صاحب مغفور عدالت میں تشریف لے گئے تھے تاکہ ادائے شہادت وغیرہ کے واسطے عدالت میں

حاکمانہ قرار پایا۔ تاآنکہ اہل متعدمات کی نظروں میں فی الجملہ عدالت کی وقعت قایم ہوئی۔
المختصر ہر ایک امر کے انتظام کو نہایت تدبیر و تامل کے ساتھ جیسا کہ اُس زمانے میں چاہئے تھا نواب صاحب مغفور نے پورا کیا۔ عام رعایا تو جوں توں عدالت میں رجوع ہونے اور احکام عدالت کو ماننے لگی لیکن حضرات عرب سوائے اپنی قومی پنچایت کے کب کسی کو مانتے تھے۔ حکام ہندی کے روبرو مستغیث ہونے کو عیب جانتے تھے۔ لہذا نواب صاحب مغفور نے عربوں کے جمعداروں سے فرمایا۔ بہتر ہے پنچایت ہی سہی لیکن پنچوں میں سرکاری پنچ بھی شریک رہنا لازمی ہے اس لئے میں خود شریک ہوتا ہوں۔ جمعداروں نے بہ کمال خوشی قبول کیا بلکہ الوالپنچ اپنا یعنی میر مجلس نواب صاحب کو قرار دیا۔ بعدازاں نواب صاحب مغفور نے ضرورت تبلا کر حسب پسند جمعداران مذکور ایک عالم فقہ دان یعنی مولوی عبدالقادر صاحب کو متقرر فرمایا اور اس محکمہ کا نام قضایائے عرب رکھا۔ اُس میں خاص عربوں کے متقدمات دریافت ہونے لگے۔ فیصلوں کی تعمیل بھی عربوں ہی کے ذریعہ سے ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ راہ پر آگئے اور سرکاری عدالتوں میں بھی رجوع ہونے کو گوارا کر لیا۔ محکمہ مذکور میں ابتدائً مولوی محمود اور ان کے بھائی نے بھی کام کیا ہے۔
فی الجملہ عدالتوں کا انتظام ہوا تھا مگر فیصلوں کی تعمیل عام طور پر نہیں ہونے پاتی تھی۔ اس لئے نواب صاحب مغفور نے میرزا علی محمد خان معتمدالدولہ بہادر ساکن بمبئی کو جو انگریزی سرکار میں کام کیے ہوئے تھے یہاں طلب فرمایا اور خاص

نواب صاحب مغفور نے یہ تجویز کی یعنی ایک مُہر سرکاری محکمۂ قضات کے لئے تیار کرائی اور مہتمم تعمیل کے سپرد کر کے فرمایا کہ اس مہر کو فیصلوں پر ثبت کر کے جاری کرتے جائیں۔ چنانچہ اسی طرح حکم کی تعمیل شروع ہو گئی اور اہل مقدمات بیچارے خوش ہو گئے۔

اسی زمانے کا ایک واقعہ زبانی نذر علی خاں موصوف یہ بھی ہے کہ بنام اعظم علی خاں فرخ نگری کئی ہزار روپے کا عدالت دیوانی بزرگ سے فیصلہ صادر ہوا تھا مگر بوجہ سرکشی خان مذکور تعمیل ہونی نہ تھی۔ ایک روز خان مذکور سوار اسپ کا گزر راستے سے ہو رہا تھا اور خان مذکور غالباً نہتے تھے یعنی بے ہتھیار کے تھے۔ حکیم مولوی محمد سعید خاں ناظم عدالت موصوف کو یہ خبر جو ملی تو سپاہیوں کو حکم دے کر خان مذکور کو عدالت کی حراست میں لے لیا۔

نواب صاحب مغفور نے یہ کیفیت سن کر ناظم صاحب موصوف کو کہلا بھیجا کہ رقم تعمیل کے ہم ذمہ دار ہیں اعظم علی خاں کو چھوڑ دو۔

ناظم صاحب مذکور کو جو اہل بھوپال تھے ضرورت سے زیادہ ضابطہ کی سوجھی اور نواب صاحب مغفور کے جواب میں یہ کہا کہ جب تک رقم تعمیل عدالت میں نہ آئے گی خان مذکور کو نہ چھوڑوں گا۔

حالانکہ نواب صاحب مغفور کو اپنے حکم کی تعمیل کا نہایت لحاظ تھا مگر افزائش و فعت عدالت بھی از بسکہ منظور تھی۔ اس جواب صاف کو ناظم عدالت کے

جانے کو جو اہل حیدرآباد عیب سمجھتے ہیں وہ عیب اٹھ جائے اور عدالت کی وقعت و عظمت بھی بڑھے ۔

اس عدالت کے حاکم اس وقت مولوی محمد امین الدین خاں تھے ۔ اور سننے میں آیا تھا کہ انھیں تاکید کی گئی تھی کہ میرے لئے کوئی تعظیم و تکریم عمل میں نہ آئے بلکہ عام اہل مقدمات کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا ہے ویسا ہی میرے لئے ہو ۔

اس صورت میں قیاس یہ کہتا ہے کہ طلبنامہ بنام محل خاص موصوف جاری جو ہوا تھا وہ بھی بایماد اجازت نواب صاحب مغفور ہوا تھا۔ ورنہ ویسے زمانے کی عدالت میں یہ قدرت و جرات کہاں تھی ۔

نذر علی خاں نامی جو اہل بھوپال اور مسن شخص ہیں جنھیں نواب صاحب مغفور نے محکمۂ قضاۃ میں مہتمم تعمیل کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ اس وقت قاضی صاحب کی دو مہریں تھیں ۔ ایک بڑی اور ایک چھوٹی ۔ فیصلہ پر بڑی مہر کرانے کو دس روپے مہرانہ لیتے تھے اور چھوٹی مہر کے پانچ روپے ۔ جب تک اہل مقدمہ مہرانہ مذکور داخل نہیں کرتا اس کے فیصلہ پر مہر تب کرتے تھے جس کی وجہ سے پانسو فیصلے ملتوی پڑے ہوئے تھے نواب صاحب موصوف نے کیفیت سماعت فرما کر اس عمل ناجائز کو موقوف کرنے کے لئے ہدایت کی مگر چونکہ اس زمانہ میں رئیس و رعایا کی نظروں میں شریعت پناہ قاضی صاحب ایک وقعت خاص رکھتے تھے اس لیے نواب صاحب مغفور کی ہدایت پر توجہ نہ کی اور اپنے اس عمل ناجائز کو بہ مستور قدیم قائم کر جاری رکھنا چاہا۔ آخر کار

میں فی روپیہ تین آنے تحریر دیوانی قرار پانی تھی جس کا تخمینہ بائیس[۲۲] لاکھ روپیہ سالانہ تھا عمل نیر الملک بہادر ثالث میں تحریر دیوانی پچاس ہزار روپیہ ماہانہ جس کے سالانہ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں مقرر تھی۔ تحریر پیشکاری مہاراجہ چندو لعل بہادر فی روپیہ آدھے آنے کے حساب سے جس کا تخمینہ دو لاکھ پچاس ہزار روپے سالانہ تھا۔ اس کے سوائے دوسرے ابواب مانند دہ یک وغیرہ تھے۔ نیز دوسرے جملہ اخراجات مہاراجہ کے سرکاری اخراجات میں ملے ہوئے تھے۔ سراج الملک بہادر پچیس ہزار روپے ماہانہ یعنی تین لاکھ روپے سالانہ تحریر دیوانی پاتے تھے۔

مگر آفریں ہے مختار الملک مغفور اوّل کی عالی ہمتی و خیر خواہی پر کہ بنظر زیر باری ریاست اپنی تحریر دیوانی پچیس ہزار ماہانہ میں سے دس ہزار روپے تخفیف کر لئے اور پندرہ ہزار تحریر پیشکاری میں سے پانچ ہزار تخفیف کر کے دس ہزار روپے ماہانہ قرار دیے۔ گویا ایک اپنی تحریر میں دیوانی و پیشکاری ہر دو کام اجرا کئے اور سرکار عالی کی کفایت مدنظر رکھی اور مدت العمر وہی پندرہ ہزار ماہانہ لیتے رہے۔ حالانکہ بکمال جانفشانی و حسن انتظام خسارہ ریاست کو دور اور بافزائش محاصل ملک خزانہ شاہی کو معمور بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ از روئے موازنہ مذکور بابت ۱۲۶۸ف رقم محاصل بابتہ ۱۲۶۲ف جملہ چوہتر لاکھ ایکاسی ہزار آٹھ سو ترانوے روپے چلتی تھی۔ بعدازاں اس کو مغفور کے حسن انتظام نے پچگونہ کر دیا۔ ملاحظہ ہو موازنہ بابتہ ۱۲۹۱ف جس سے ظاہر ہے کہ جمع بابت ۱۲۸۹ف

سماعت فرما کر بکمال ضبط و تحمل فی الفور رقم تعمیل عدالت میں بھیجدی خان مذکور کو عدالت سے رہا کرادیا۔ لیکن بعد ازاں ناظم صاحب مذکور کو بجرم عدول حکمی نظامت سے معزول کردیا۔

چونکہ لائق عہدہ داروں کی اس وقت ضرورت بھی تھی لہذا دو سال کے بعد مولوی محمد سعید خاں صاحب موصوف کو پھر دوسری خدمت دی یعنی محکمۂ دریافت انعامات کا ناظم کیا۔

علیٰ ہذا القیاس انتظام کوتوالی بھی اسی طرح بتدریج ہوتا گیا ہے جس کا مجملاً حال موازنہ مذکور کے فقرہ (۱۴) سے آیندہ ظاہر ہوگا۔ مگر عہد مغفور میں کوتوال اندرون علیحدہ تھا اور کوتوال بیرون بلدہ علیحدہ۔ عہد دیوانی عماد السلطنتہ مرحوم سے اندرون و بیرون بلدہ کی کوتوالی حسب استدعا اکبر جنگ اکبر الملک کوتوال مرحوم ایک ہی ہوگئی ہے۔ اور جمعیت میں افزایش بھی ہوئی۔

موازنہ مذکور بابت ۱۲۸۶ف سے ظاہر ہے کہ ہر ایک امر کے انتظام میں نواب صاحب مغفور کی نظر مداخل پر رہتی تھی کہ ریاست زیر بار نہ ہو۔ چنانچہ صیغۂ مال و عدالت میں افزایش عہدہ داران لائق کی ضرورت بتلا کر فرمایا ہے کہ اجرائی اس تجویز کی منحصر ہے تخفیف اخراجات غیر ضروری و زیادتی خزانہ پر۔

واضح ہو کہ زمانۂ سابق میں تحریر دیوانی بہت بیش قرار تھی چنانچہ اعظم الامرا ارسطو جاہ کے عمل میں بحساب فی روپیہ دو آنہ تحریر دیوانی تھی۔ اور عمل میر عالم بہادر

اب جو ہو سو ہو میں تو جا کر اپنے علاقہ کی ماہواریں لے لیتا ہوں اور آیندہ بفضلہ ماہ بماہ تنخواہیں ملنے سے تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔ حاکم سے مخالفت کرکے کیا فائدہ چنانچہ ہمارے ہم قوم بہت سے جوتیں چٹخیں مہینے گنتے گنتے مر گئے۔ یہ کہہ کر جمعدار مذکور گیا اور رقم بقایا پر وصول کی مُہر ثبت کر دی اور حسب قرارداد سرکار عالی اپنے علاقہ کی رقم ماہوارات اُٹھا لائی اور اظہار خوش حالی کرنے لگا۔ یہ کہہ کر دیگر جملہ جمعداران و سلحدار عہدوی چار و ناچار تعمیل حکم سرکار پر راضی ہو گئے اور اسی طرح رقم بقایا پر مہر وصول ثبت کرکے حسب قرارداد سرکار ماہواریں اپنی اٹھا لائے۔ بفضلہ منصبداران و امتیازیان جمعیت متفرقات وغیرہ جملہ ملازمین کی تنخواہ ماہ بماہ تقسیم ہونے لگی۔

یا فقط نام تنخواہ کا سنتے تھے اس کی صورت سے واقف نہ تھے۔ اب جو ماہ بماہ تنخواہ ملنے لگی تو ایک عام خوش حالی پدید تھی۔ ہر گھر میں گویا عید تھی۔ بنئے بقالوں کے ہاتھوں سے نجات ملی افلاس دُور ہو گیا۔ دوست دشمن سب یک زبان۔ نواب سالار جنگ بہادر کے مدح خوان۔ جا بجا چرچے کہ سراج الملک کا بھتیجا کیا لائق نکلا ہے ماشاء اللہ۔ اس کمسنی میں یہ عقل و تدبر سبحان اللہ۔ ایسا دیوان تو آج تک کوئی نہیں ہوا یہ خداداد ہے۔ اس کی نسبت **نواب ناصر الدولہ بہادر** کا صحیح ارشاد ہے کہ گھوڑے پر سے ہمیں ہیرا ملا ہے کیا پوچھنا کلام الملوک ملک الکلام لیکن ہیرے کو پہچاننا بھی جوہر شناس ہی کا کام ہے۔ زہے بصیرت و فراست

الیٰ للعہ ملک سے کرور تین کرور اکتالیس لاکھ اکاون ہزار ہوئی۔ برایں ہم اپنی تحریر دیوانی کا تکملہ و اضافہ نہ چاہا۔ بلکہ علاوہ برآں نذروں کی رقم جس قدر جمع ہوتی تھی وہ سب داخل خزانہ شاہی کرنے لگے چنانچہ جب سے وہی دستور جاری ہو گیا ہے۔ ورنہ سابق کے وزرا جو نذریں لیتے تھے وہ انھیں کا حق سمجھا جاتا تھا اور اپنے صرف میں لاتے تھے۔

چونکہ تقسیم ماہوارات ماہ بماہ کا انتظام اہم ترین امور تھا اور برآیندہ تنخواہ سالہا سال بابتہ زمانۂ سابق کی ادائی بھی سخت مشکل تھی لہٰذا یہ حکم دیا کہ جملہ ملازمین جمعیت وغیرہ بقایا سے دستبردار ہوں اور آیندہ سے بہ تخفیف دہ روزہ تنخواہ ماہ بماہ لیتے رہیں۔

نواب صاحب مغفور نے اپنی پچیس ہزار تحریر دیوانی میں سے دس ہزار جو تخفیف کئے تھے اس میں علاوہ ہمدردی ریاست کے یہ مصلحت بھی تھی کہ ملازمین سرکاری کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اگر خیرخواہِ ریاست ہیں تو اپنی تحریر دیوانی کیوں برابر لے رہے ہیں اس کو تخفیف کیوں نہ فرمایا۔

الحاصل جمعداران و سلحداران عہدوبہ وغیرہ بقایا کی دستبرداری و تخفیف تنخواہ سے چند روز ناراض رہے۔ ان میں کے ایک جمعدار جنید خان نامی نے جو سراج الملک مرحوم کے وقت سے توسل رکھتا تھا حسب ایما و رضائے مغفور ممدوح سے کہا کہ آخر کب تک بغیر تنخواہ گھوڑوں کو ہم پالیں اور تکلیف میں مبتلا رہیں

ایک استعجاب شادی آمیز ہوتا رہا۔
مغفور نے اس حسن عمل کو تادم زیست تیس برس تک جاری رکھا اور جملہ ملازمین سلطنت کو ماہ بماہ تنخواہ پانے کا عادی کردیا کہ بعد مغفور موصوف ہر مدار المہام کو اس حسن عمل کا جاری رکھنا لازم ہوگیا۔ بلکہ جملہ امرائے سلطنت کو بھی یہ حسن عمل لازم ہوا ہے۔ جو امیر اس کے خلاف معمّل ہوتا ہے یعنی ملازمین کی تنخواہ ماہ بماہ نہیں دیتا ہے تو اس کے کارخانہ کا ذکر برائی سے کیا جاتا ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو مغفور نے واقعی یہ بڑا کام کیا۔ بیچارے منصبدار وغیرہ اس فلاکت سے جس کا بیان حالات زمانہ سابق میں کیا گیا ہے نجات پائے۔ رفاہیت کی صورت دیکھی حوصلے بڑھ گئے۔ صرف تمثیلاً بطور مشتی از خروارے اندکے از بسیار اس امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ زمانہ سابق میں سوائے امرا و ذی مقدرت کے دوسرا کوئی اپنی دختر کے جہیز میں چاندی کا پلنگ نہیں دے سکتا تھا اب بفضلہ تیک روپیہ تیس چالیس روپے ماہوار دار بھی چاندی کا پلنگ دیتا ہے۔ یہ برکت اسی ماہ بماہ تنخواہ پانے اور ساہوؤں کے ہاتھوں سے چھوٹ جانے کی ہے۔
الغرض ہنوز انتظامی مشکلات کامل حل نہ ہوئے تھے کہ مغفور کے لیے عجیب نازک وقت اور ہجوم افکار کا زمانہ آیا یعنی غفران منزل سا قدردان مالک اور بادشاہ کی رحلت اور جمعداران عرب جو اس وقت کمال زور پر تھے ان سے مغفور کا بر سر حساب ہونا اور واگزاشت تعلقات کی بنا اور ادھر دہلی میں جو غدر ہوا ہے

شاہی انتخاب اس کا نام ہے۔ الحاصل ایک عرصے تک اس خوش دلی کے آثار ملازمین سلطنت سے پیدا تھے۔ اگرچہ اس کے سوائے اور بہت سے انتظامات ریاست باعث رفاہ عام وموجب آرام انام وقوع میں آئے لیکن ابتدا ہی میں اس ماہ بماہی تنخواہ کے حسن عمل نے ایسا نقش دلوں پر جما دیا کہ بیساختہ ہر ایک کی زبان سے دعا نکلنے لگی اور عام رضامندی پھیلی۔

ایک قدیم بزرگوار مولوی سید عطاء اللہ صاحب منصبدار ساکن محلہ نور الامرا کا بیان ہے کہ جس وقت ابتدائی تقسیم تنخواہ منصب کی خبر نقیب نے دی ہے مجھ کو باور نہ ہوا بلکہ یہ سمجھا کہ شاید کسی نے مزاح کی ہے لیکن پھر دل میں آیا کہ دیکھوں تو سہی۔ جاکر دیکھا تو واقعی روپے تل رہے ہیں تقسیم ہو رہی ہے۔ منصبدار رومالوں میں رقم باندہ باندہ کرلے جا رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ شکر ہے اللہ نے یہ دن بھی دکھلایا۔ تاآنکہ میرا نام بھی پکارا گیا اور مجھے ماہوار ملی۔ کچھ نہ پوچھئے اس وقت کی خوشی کا حال تقسیم پر سے آتے ہوئے کچھ پارچہ وغیرہ عیال واطفال کے لئے بازار سے خرید لیا کہ خدا جانے پھر کب تقسیم ہو۔ جب دوسری تقسیم کی خبر ملی تو دل نے کہا یہ تو بیشک کسی نے مذاق کیا ہے۔ پرسوں تقسیم ہوئی ہے دس پانچ روز میں پھر یہ تقسیم کیسی۔ اصل یہ ہے کہ تقسیم تنخواہ برسوں میں ہوتی تھی اس کے مقابل میں یہ ایک مہینہ ایسا معلوم ہوا کہ چند روز گزرے ہیں۔ الحاصل جب دفتر تقسیم پر گیا تو دیکھا واقعی تقسیم ہو رہی ہے۔ اسی طرح چند ماہ تک ہر تقسیم پر

کشت وخون ہوگا اور یہ روہیلے وغیرہ اوباش بلدہ ہی میں لوٹ مار شروع کردیں گے لہذا بکمال دانائی و دوراندیشی ان بلوائیوں کے متعرض نہ ہوئے مگر یہ کیا کہ پیش از پیش کرنل ڈیوڈسن رزیڈنٹ بہادر کو مطلع فرمادیا کہ اپنی حفاظت کا انتظام کرلیں اور بلارعایت ان بدمعاشوں کی سرکوبی کریں۔

از بسکہ ان دنوں میں ہر جگہ چرچے غدر دہلی کے تھے اور دہلی میں عیسائیوں کا مع عیال واطفال مارا جانا مشہور ہو گیا تھا جس کے باعث خود سرکار انگریزی متزلزل وکمزور تھی اور یہاں کے تمام عیسائی نہایت پریشان تھے کہ دفعتاً اس ہنگامے کی خبر چھاونی میں پھیلی۔ رسالہ رویداد حیدرآباد دکن سے ظاہر ہے نیز بعض مسن لوگ اس زمانے کے بیان کرتے ہیں کہ عیسائی عورتیں اور لڑکیاں گل رخسار اپنے اپنے بنگلوں سے نکل کر مانند ابر بہار اشک ریزاں حواس باختہ افتاں وخیزاں رزیڈنٹ بہادر کی کوٹھی میں پناہ لینے کو چلی جارہی تھیں۔

رزیڈنٹ بہادر نے بمجرد اطلاع ہنگامہ مذکور کوٹھی کی فوج کو مستعد کرلیا اور سکندرآباد سے بھی جمعیت آگئی میجر برگس نے دو توپیں کوٹھی کے دروازہ غرب رویہ کے باہر لاکر لیس رکھا تا آنکہ بلوائیوں کی فوج یعنی آگے روہیلے اور ان کے پیچھے شہر کے اوباش۔ کوئی سپر تلوار لئے بشاش۔ کسی کے پاس کہنہ بندوق اکثر تولتیں اور بانسے لئے ہوئے دین دین کہتے ہوئے گوئی گوڑہ تک پہنچے۔ طرہ بازخاں کے خاص خاص جانباز سب سے آگے ٹیلیوں کی

اس کے چرچے تمام حیدرآباد میں ہو رہے ہیں کہ اہل دہلی نے تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا
اب وہاں نام کو انگریز نہیں رہا۔ ہر ملک کے اوباش لیٹرے تو ایسے موقع کے
آرزومند رہتے ہیں لہذا یہاں کے اوباش بھی باہم مشورے کرنے لگے کہ اب اچھا
وقت آیا ہے۔ اورنگ آباد کے چند مفسد متعلق غدر جو یہاں آ کر گرفتار ہوئے تھے
انھیں مغفور نے سرکار انگریزی کے حوالے کر دیا تھا تو یہاں کے عوام الناس کو
سخت ناگوار ہوا تھا اور اندرونی طور پر ہر ایک کو جوش جہاد پیدا ہو گیا تھا۔ حتیٰ
کہ **حضور پرنور مغفرت مکان** اور **مدار المہام مغفور** کو دھمکی دی گئی کہ انگریزوں
سے اس وقت جہاد نہ کیا جائے گا تو ہم شاہ و وزیر کی جان کا لحاظ ہرگز نہ کریں گے
مگر آفریں ہے رئیس و دیوان پر کہ ہراس کو مطلق پاس آنے نہ دیا اور کمال استقلال
سے بندوبست رکھا۔ فوج باقاعدہ تو اس وقت نہ تھی لامحالہ عربوں کے جمعداروں
کی تالیف قلوب کر کے جملہ دروازوں پر شہر کے عرب بٹھا دیے گئے اور حکم دے دیا
گیا کہ جس کو ہنگامہ آرا دیکھو گولی مار دو۔ باوجود اس اہتمام کے **طرہ باز خان**
برفاقت **مولوی علاء الدین** پانسو روہیلے فراہم کر کے آمادہ ہنگامہ آرائی ہو گیا
چنانچہ ماہ شوال روز جمعہ سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق سنہ ۱۸۵۷ء میں دو پہر کے بعد دہلی دروازہ
کی راہ سے مع ہمراہی چلا۔ اوباش بلدہ تو ایسے وقت کے منتظر ہی تھے ہر ایک سمت
سے جوق جوق نکل کر ان میں شامل ہونے لگے تا آنکہ رفتہ رفتہ پانچ ہزار کے
انداز میں وہ مجمع ہو گیا۔ مغفور اول نے دیکھا کہ اگر اس ہنگامے کو رد کیں تو لامحالہ

نواب صاحب مغفور نے طرہ باز خاں اور مولوی علاء الدین کی گرفتاری کے لئے بنام تعلقداران ممالک محروسہ احکام جاری کئے اور اشتہار دیا کہ ان دونوں کو جو گرفتار کرلائے گا ہر ایک کے لئے پانچہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ طرہ باز خاں کی خبر اپنے نواح میں نرکھوڑہ کے زمیندار نے جو پائی تو اپنے سپاہیوں کو لے کر پہنچا۔ زندہ گرفتار ہونا ممکن نہ تھا اس لئے طرہ باز خاں کی ران پر گولی ماری جس سے وہ گر کر پھر اٹھ نہ سکا اور گرفتار ہوکر سرکار میں آیا۔ سرکاری طور پر اس کا علاج ہوا روزانہ دو روپے اس کی خورونوش کے لئے مقرر ہوئے تھے اور زخم اس کا چنگا ہوگیا تھا مگر لنگ باقی تھا بر این ہم ایک روز موقع پاکر قید سے نکل گیا۔ تا آنکہ ۱۲۷۵ھ میں تعلقہ توپران کے راستے پر مرزا قربان علی بیگ تعلقدار کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی لاش یہاں آئی اور دفن کر دی گئی۔ سنا گیا کہ طرہ باز خاں تعلقہ توپران کی ایک باولی میں پانی پینے کی غرض سے اترا تھا تعلقدار مذکور نے موقع پاکر باؤلی پر سے گولی ماردی ہنگامۂ مذکورِ بالا کے بعد کئی روز تک سکندر آباد کی فوج بغرض حفاظت ریزیڈنسی میں رہی۔ نیز نواب صاحب مغفور نے بھی غالب جنگ جمعدار کے علاقہ کے عربوں کو چھاونی کی حفاظت کے واسطے چند روز متعین فرمادیا تھا۔ اسی عرصہ میں علاء الدین مفرور مذکور بھی گرفتار ہوا۔ اس کو بعبور دریائے شور حبس دوام کی سزا دی۔

باولی کے پاس پہنچتے ہی ایک توپ گویا سلامی کی میجر موصوف نے سر کی۔ مگر ازراہ انسانیت پہلے ہوائی فیر کیا کہ ڈر کر پلٹ جائیں۔ جب دیکھا کہ بدمعاشوں کو مطلق اثر نہ ہوا اور وہی جسارت باقی ہے تو دوسرا فیر اس مجمع ناجائز پر کیا جس سے کئی مر گئے اور کئی مجروح اپنے خون میں لوٹنے لگے۔ یہ دیکھ کر بقیہ جانبازان طرہ بازخاں نے مرزا ثابت علی کے مکان میں جو وہیں واقع ہے پناہ لی۔ اور بندوقیں سر کرنے لگے۔ عقب کے دین دین کہنے والے جو تھے انھوں نے دیکھا کہ لوٹنا تو نہیں ہے یہاں اپنے خون میں لوٹنا ہے۔ بانسے پھینکدئے اور جوتیاں ہاتھ میں لیں اور سیدھا اپنے گھر کا راستہ لیا۔ چونکہ اس وقت میں ایسے مکانات حائل نہ تھے بلکہ اکثر میدان تھا اس لئے گھبرا گھبرا کر پیچھے دیکھتے بھی تھے کہ مبادا کوئی گولا یہاں تک آئے اور بھاگے جاتے تھے۔

طرہ بازخاں اور ہمراہیوں کو یہ سوجھی کہ مرزا ثابت علی کے مکان میں سے دیواریں پھوڑتے ہوئے کوٹھی کے دروازہ تک پہنچ جانا چاہئے۔ چنانچہ جب محمد اعظم علی خاں کے بنگلے کی دیوار توڑنے لگے تو خان مذکور نے فی الفور رزیڈنٹ بہادر کو خبر کر دی۔ بہادر موصوف نے حفاظت کے لئے چند سپاہیوں کو بھیج دیا۔ اس عرصہ میں شام ہو گئی۔ باغیوں نے دیکھا کہ یہاں کامیابی کی امید نہیں لہذا صبح تک بتیس زخمی اور بسمل کو چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

کیا کہ پیر و مرشد یہاں مطمئن تشریف فرما ہیں حالانکہ انگریزی فوج پیر و مرشد کے لئے بیرون بلدہ ندی میں آگئی ہے اعلیحضرت کے دل میں چونکہ پہلے ہی سے معاندوں نے اس قسم کی توہمات پیدا کر رکھے تھے۔ اس خبر بے اصل کو سماعت فرمانے کے بعد پھر کیا تھا مخبران کاذب کے قول کا یقین ہو گیا اور فی الفور سواری طلب فرما کر بہ کمال عجلت بلا جلوس سواری ایوان شاہی میں داخل ہو گئے اور حسب الحکم اقدس جملہ محلات مبارک اسی وقت واپس روانہ ہو گئے۔

مقام غور ہے کہ یہ خبر ملالت اثر دفعتاً پہنچی ہو گی تو مختار الملک مغفور کے دل کو عین شادمانی میں کیا صدمہ اور کس قدر رنج و ملال ہوا ہو گا۔ اگرچہ بعد ازاں ان مفتریوں کو جو اس ضیافت و مسرت شاہ و وزیر کے مخرب ثابت ہوئے حسب مناسب سزائیں دی گئیں۔ قلعہ گولکنڈہ میں مقید ہوئے لیکن عین ضیافت میں اس بے لطفی کا ملال خاطر مغفور کو جو ہوا تھا وہ کیونکر رفع ہو سکتا تھا۔ تاریخ مہمانی موصوف مسمی محمد امین نے خوب کہی ہے۔ اس لئے درج ذیل ہے

قطعہ

زہے نواب مختار الممالک ❊ کہ از جہش عیان شان وزارت
جوان سال و جوان دولت جوان بخت ❊ گرامی گوہر کان وزارت
نمودہ شاہ خود را مہمانے ❊ بصد تزئین بر خوان وزارت

۱۲۷۰ء میں مغفوراول جو مورد عنایات تھے نوبراہ عزت افزائی و قدر دانی **مغفرت مکان** نے دعوت قبول فرماکر مع محلات مبارک رونق افزائے محل وزارت ہوئے تھے چنانچہ مغفور نے اپنی سکونتی جملہ حویلیاں باغ بارہ دری فرش و شیشہ آلات و فرنیچر وغیرہ سے آراستہ کر دے کر خود مع زنانہ منڈی والے مکان میں فروکش ہوئے تھے جلوخانہ کے اندرونی دروازے سے لے کر بارہ دری کی پھاٹک تک سراچے نصب کر دئے گئے تھے لہذا چھتہ کی حویلی اور بارہ دری ایک ہوگئی تھی۔ محلات شاہی کی مستورات حویلی مذکور سے بارہ دری میں بلا تامل جاتی آتی تھیں۔ بارہ دری میں نوچمن کے دونوں جانب انگور کے منڈوے جو نہایت طولانی تھے ان میں بحسن اتفاق انگور کی فصل ہونے کی وجہ سے تمام خوشوں کو سنہری اور روپہلی بادلے کی تھیلیاں پہنادی گئی تھیں۔ اور بیچ کے نوچمنوں میں لالہ نافرمان لہلہا رہا تھا۔ عجب لطف و طرفہ بہار تھی۔ چونکہ باغ بارہ دری لب رود موسیٰ واقع ہے اس لئے مغفور نے بغرض حفاظت محلات شاہی رود موسیٰ کے اس کنارے پر پہرہ بندی کا انتظام کیا تھا اور پہرہ والوں کے لئے راوٹیاں وغیرہ جا بجا نصب تھیں۔

الغرض اعلیحضرت مع محلات مبارک رونق افزا ہو کر تین یا چار روز گذرے تھے اور نہایت اہتمام سربراہی مہانداری میں ہو رہا تھا کہ حاسدان و معاندان فتنہ انگیز کے دلوں میں آتش حسد بھڑکی اور دفعتًا حاضر ہو کر عرض

خبر دی کہ تمھارے شہر کے مختار الملک کا انتقال ہوگیا۔ اور کہا کہ ہر چند مجھ میں اور ان میں صفائی نہ تھی لیکن ان کے انتقال کا مجھ کو افسوس ہوا بعدازاں یہ بھی کہا کہ تمھارے شہر کے باہر مولا علی کا جو پہاڑ ہے ویسا پہاڑ اب ان کے انتقال سے ریاست حیدرآباد پر گرا ہے سمجھو۔

ٹویڈی صاحب دراصل دانایان فرنگ سے اور یہاں ایک مدت تک مددگاری پر رزیڈنٹ بہادر کی معمور تھے لہذا مختار الملک مغفور کی دانائی و فراست کو خوب جانتے تھے اور باوجود مخالفت جو بات حق تھی کہہ دی۔ ہر شاطر ماہر کو مقابلہ کے شاطر ہی جانتے ہیں کہ کس پایہ کا ہے۔ ملاحظہ ہو مرقعہ عبرت کہ یورپ کے وزرا و عقلا نے تحریرات و تقریرات میں مغفور کی نسبت کیا کہا اور کس پایہ کا عقلمند مانا ہے اور کس درجہ خیر خواہ اپنے ملک و مالک کا جانا ہے۔ نیز زمانۂ رحلت مغفور میں ایک اخبار کا یہ مضمون ہے کہ مسٹر بلی ممبر پارلیمنٹ جس کو لوگ نواب صاحب مغفور کے دوستوں میں شمار کرتے تھے اس نے بعد تحقیق خبر رحلت نواب صاحب مغفور اہل پارلیمنٹ سے کہا کہ اب سمجھنا چاہئے کہ ہندوستان پر ہمارا کامل تسلط ہوا ہے ورنہ سر سالار جنگ سا شخص مدبر موجود رہنے تک ہمارا تسلط لائق اطمینان نہ تھا۔

الحاصل جب اس بدبخت نے دیکھا کہ فرامین سے کام نہ نکلا تو فی الفور تلوار میان سے کھینچ لی اور مغفور پر حملہ کیا۔ فتح علی خانساماں نے جس کا ذکر واقعۂ مہدویان

آئین شہان جشن ضیافت | مہیا شد ز سامانِ وزارت
پسندِ شاہ گشتہ خدمت او | خلائق ہم ثنا خوانِ وزارت
چو کردم عرض بہر سال فرخ | حضورِ سرو بستانِ وزارت
چہ خوش تاریخ آن برجستہ فرمود | شہم آمد بر ایوانِ وزارت

بتاریخ ۱۹ ماہ شعبان ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۶۰ء ایک اور واقعہ عظیم وقوع میں آیا۔ یعنی کرنیل ڈیوڈسن رزیڈنٹ بہادر اور مغفور اول حضوری دربار سے فارغ ہوکر ہاتھ میں ہاتھ لائے ہوئے نکل رہے تھے ایک شخص جہانگیر خاں نام نے غضب کیا یعنی ہر دو معززین موصوفین پر قرابین فیر کر دی۔ حافظ حقیقی نے اُن دونوں معززین پر فضل کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ رئیس و ریاست پر اپنا فضل فرمایا۔ تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ خدا نکردہ اگر رزیڈنٹ بہادر کی جان کا ضرر ہوتا تو نتیجہ اس کا کیا ہوتا۔ آیا جہانگیر خاں اور اس کے مغویوں کو اتنی بھی سمجھ نہ تھی کہ اگر مختار الملک بہادر سا وزیر با تدبیر و خیر خواہِ سلطنت کی ہلاکت بھی کچھ کم مضرت رسانِ ریاست نہ تھی۔ لیکن اس کو کور فہم کیا جانتے اس کے جاننے والے عقلا تھے چنانچہ استاد نواب صاحب مغفور میر روشن علی خاں شہسوار کے داماد میر قاسم علی منصبدار مع چند ساکنین مغلپورہ انتقال نواب صاحب مغفور کے چند روز قبل یہاں سے روانہ کربلا معلی ہو چکے تھے بغداد میں پہنچ کر ٹویڈی صاحب سے ملاقی ہوئے صاحب موصوف نے

مرقعۂ عبرت میں مرقوم ہے کہ نواب صاحب مغفور کے ایک ہمراہی نے قبل اس کے کہ قرابین فیر ہو اس کا منہ پھیر دیا اور اسی وجہ سے یہ دونوں صاحب محفوظ رہے۔ اسی زمانے میں مولّف نے یہ سنا کہ عین فیر کرنے کے وقت کسی نے قرابین پر زور سے ہاتھ مار دیا جس کے باعث قرابین کا منہ زمین کی طرف جھک گیا۔ بہرحال اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس شخص کی بدنصیبی پر افسوس ہوتا ہے کہ ایسا کارنمایاں کر کے بغیر صلہ و انعام روپوش و گمنام رہا۔ الحاصل فضل خدا ہو ایک موٹا چھرّا میر تہوّر علی صاحب کے پاؤں میں لگا تھا۔ ظالم نے قرابین میں خدا جانے کیا کیا بھر اتھا۔ علاوہ چھرّے اور گولیوں کے پارہ بھی تھا کیونکہ حاجی جمال محمد سراج الملک مرحوم کے وقت کا شاگرد پیشہ جو مغفور کے ہمراہ تھا۔ ذکر کرتا تھا کہ بعد رفع انتشار جب ہم سب نواب صاحب کے پاس جمع ہو گئے تو مجھ کو دیکھ کر نواب صاحب مغفور نے فرمایا تھا تمھارے منہ پر کیا لگا ہے۔ میں نے رومال سے پونچھ کر دیکھا تو پارہ تھا۔ شاید دور رہنے کی وجہ سے پارہ سرد ہو گیا تھا اس لئے جلد پر جم کر رہ گیا۔

المختصر اعلیحضرت نے ملاقات کے مکان میں رزیڈنٹ بہادر اور نواب صاحب مغفور کو دوبارہ طلب فرما کر بعد کلماتِ تاسف و ہمدردی رخصت فرمایا۔ مغفور اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ رزیڈنٹ بہادر کو ان کی کوٹھی میں پہنچا کر اپنے دولت سرا میں واپس آئے۔ جس وقت نواب صاحب اور رزیڈنٹ بہادر ہاتھی پر سے

وسراج الملک مرحوم میں آچکا ہے بیچ میں آکر اس کے وار کو روکا۔ پھر تو حملہ ہمراہیان مغفور اس پر ٹوٹ پڑے۔ اگر پنبہ دار چہلتا اس کے جسم میں نہ ہوتا تو ٹکڑے ہو جاتا۔ بسبب چہلتے کے جو ایک خاص قسم کا تھا تلواریں پورا کام نہ کر سکیں۔ چنانچہ میر تہور علی صاحب نے بھی جو بعد ازاں مخاطب بہ جلال الدولہ بہادر ہوئے ہیں۔ وار کیا تھا تو تیغہ ان کا اس کے چہلتے میں در آکر پھنس گیا تھا۔ اس میں سے بدقت نکالا گیا۔ چنانچہ وہ تیغہ اور ایک قدیم کتاب مصنف کے قلم کی جس پر کسی بادشاہ کے ہاتھ کی تحریر بھی تھی یہ ہر دو چیزیں محبوب یار جنگ مرحوم نے بطور تحفہ و یادگار وکٹوریہ میموریل (نمائش گاہ) میں جس کا آغاز لارڈ کرزن کے عہد میں ہوا تھا پیشکش کر دیا۔ بزمانہ لارڈ منٹو۔

الحاصل زخمی ہونے کے بعد گرفتار ہوا مغفور کے بعض ملازمین جو ہمراہ تھے بیان کرتے ہیں کہ وہ وقت بھی ایک عجیب حشر نما تھا۔ ایک کی خبر ایک کو نہ تھی۔ باوجودیکہ رزیڈنٹ بہادر اور نواب صاحب مغفور ہاتھ میں ہاتھ لئے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت دونوں صاحب دو طرف ہو گئے۔ اندر کے اور باہر کے لوگ جمع ہو کر ایک مجمع عظیم ہو گیا تھا۔ جب جہانگیر خاں گرفتار ہو گیا تو نواب صاحب مغفور کو ہم نے دیکھا کہ بہ کمال پریشانی ہر ایک سے پوچھ رہے تھے کہ بڑے صاحب کہاں ہیں۔ جب بڑے صاحب صحیح و سالم مل گئے تو اس وقت مطمئن ہو کر ہاتھ میں ہاتھ ملا لیا۔

آقا (مختار الملک بہادر) کے پہنچ کر سرگین کبوتر کو اپنے رومال میں لے لیا۔ یہ حسن خدمت خانساماں مذکور دیکھ کر نواب وقارالامرا بہادر نے نہایت تحسین و آفرین کی اور فرمایا کہ ایسے کو صرف جان نثار نہیں بلکہ اپنے آقا کا عاشق زار کہنا چاہیئے۔ ایسے جان نثار کسی کو نہیں میسر ہوتے۔ خوش قسمتوں کو ملتے ہیں۔

جب جان نثاریاں خانساماں مذکور کی بیان کی گئی ہیں تو اس کے آقاؤں کی قدردانیوں کو بھی بیان کرنا لازم ہوا۔ ناظرین کو یہ نہ خیال نہ ہو کہ ایسے جان نثار کی قدردانی بھی ہوئی یا نہیں۔

واضح ہو کہ علاوہ عطایائے نقد و جنس جن کی تفصیل اس وقت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے ایک یہ صلہ و سلوک ظاہر و بین ہے کہ سراج الملک بہادر نے اپنی جاگیرات میں سے آٹھ دس ہزار روپے محاصلی جاگیر خانساماں مذکور کو عطا فرمائی تھی۔ اور اپنی ڈیوڑھی کے متصل اپنے علاقہ میں مکان عالیشان بنوا دے کر اپنے نزدیک اپنے جان نثار کو رکھا تھا۔ بعد سراج الملک مرحوم نواب مختار الملک بہادر بھی بہت قدردان اس کے رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ روبرو فتح علی مذکور کے اس کے فرزند بندہ علی نے قضا کی۔ صرف ایک لڑکا بندہ علی مذکور کا یٰسین علی نام تھا سو بعد اپنے جد کے بجائے جد خود ہمراہی میں نواب صاحب مغفور کی رہنے لگا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یٰسین علی کو سرا کی شکایت ہے تو مغفور نے اس کو نوکری معاف کر دی اور عنبر علی خانساماں کو اوچ بکس پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ بعد مغفور کہ جب

اترے ہیں تو رزیڈنٹ بہادر کی میم صاحبہ جو منتظر و مضطر استادہ تھیں آگے بڑھ کر نواب صاحب سے ہاتھ ملایا اور نہایت شکریہ ادا کیا۔

واضح ہو کہ مجرم سے بہت کچھ استفسار کیا گیا لیکن اس بدمعاش نے سوائے بے اصل حیلوں کے اصل مطلب کو اصلا نہ بیان کیا اور بسبب جراحات کاری کے چند روز میں مر گیا۔

فتح علی خانساماں مذکور بھی اگر انصاف سے دیکھا جائے تو واقعی فدائی وجاں نثار دلی مغفور کے گھر کا تھا۔ خانساماں مذکور کے متعلق ایک اور واقعہ یاد آگیا ہے اگرچہ ان جاں نثاریوں کے بعد جن کا بیان ہو چکا ہے اس واقعہ کی کوئی وقعت نہیں ہے اور ایک ادنیٰ بات ہے لیکن جاں نثاران ذی عقل وفہم زمانۂ حال واستقبال کے لئے ایک اعلیٰ سبق ہے۔ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔ واقعہ مذکور یہ کہ ایک روز ایوان شاہی میں بغرض دربار نواب مختار الملک بہادر و مہاراجہ نرندر پیشکار بہادر اور نواب محمد رشید الدین خاں وقار الامرا بہادر وغیرہ امرائے پائیگاہ بانتظار برآمدی حضور پر نور حاضر تھے۔ دفعتاً دیکھتے کیا ہیں کہ فتح علی خانساماں اپنے مقام سے گوشۂ رومال پھیلایا ہوا جھپٹا اور مختار الملک بہادر کے سر پر کوئی چیز اوپر سے آرہی تھی اس کو اپنے رومال میں لے لیا اور اپنے مقام پر جا کر پھر کھڑا ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جنگلی کبوتر جو اوپر بیٹھا ہوا تھا اس پر خانساماں مذکور نے نظر رکھی تھی۔ جب دیکھا کہ وہ بیخال کرنے کو ہے تو بکمال تیزی قریب اپنے

دنشار پر سے گذر گئی اور جانب راست کے آئینہ کو توڑ کر باہر جو سپاہی بوچہ کا تھا اس کے سینہ و گردن کے درمیان لگی آفرین ہے سپاہی مجروح مذکور پر کہ زخمی ہوتے ہی بندوق فیر کرنے والے کی جانب دوڑا اور اس کو گرا کر سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جنبیہ کھینچ کر چاہتا تھا کہ مارے مگر اس عرصہ میں بے ہوش ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کے دوسرے سپاہی بھی پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ وہ مجرم مارا جاتا مگر نواب صاحب مغفور نے حکم دیا کہ اسے قتل نہ کرو زندہ گرفتار کرو لہذا گرفتار کر کے مغفور کے دولت سرا پر لے گئے جب کہ سواری مغفور کی بارگاہِ شاہی پر پہنچی اور اتر کر داخل دربار ہوئے چونکہ اس واقعہ کی خبر ہو گئی تھی اعلیٰحضرت **مغفرت مکان** نے کمال عنایت سے کیفیت پوچھی اور بلا ٹل جانے کا شکر خدا فرمایا۔

دربار سے واپس آکر مغفور نے مجرم کو کوتوالی بھیجا۔ ہرچند اس سے برفق و مدارا پوچھا گیا کہ تو نے یہ حرکت کس کے اغوا سے کی مگر اس نے بھی کسی کا نام نہ بتلایا نواب صاحب مغفور کا قصد تھا کہ چند ے اور اس کو رہنے دیں لیکن اعلیٰحضرت نے ازبسکہ بہ کمال مرحمت خداوندی اپنے خیر خواہ وزیر کے دشمن جانی کو سزا دینے اور قتل کرنے کے لئے سخت تقاضا فرمایا اس لئے اس کی گردن ماری گئی۔

الحاصل امور انتظام مالگزاری کے لئے ابتداءً ۱۳۰۱ھ میں ایک مجلس قرار پائی تھی جس کے تحت معاملات کوتوالی و تعمیرات و صفائی و تعلیمات و طبابت و

یسین علی نے بھی قضا، کی اور اس کے گھر میں بسبب صرف اناث رہنے کے غیروں کا دخل ہوا اور یسین علی کی لڑکیوں نے جاگیر کو اپنی ذاتی سمجھ کر اسٹیٹ سالارجنگی کی پروانہ کی اور سرتابی کی اس لئے عنبر علی خانساماں نے جاگیر مذکور اسٹیٹ میں واپس لے لی۔ اگر پسماندگان یسین علی مذکور اسٹیٹ موصوف سے متوسل رہتے اور نگرانی و سرپرستی عنبر علی خانساماں میں اپنے کارخانہ کو رکھتے تو جاگیر بھی بدستور بحال رہتی اور لڑکیوں کی شادی وغیرہ بھی بآئین بہین ہو کر گھر کا انتظام خوبی کے ساتھ رہتا۔

واضح ہو کہ اوایل سال ۱۸۶۰ء میں اور ایک حادثہ سے مختار الملک بہادر کو حافظ حقیقی نے بچا لیا۔ وہ یہ کہ سنہ ۱۲۸۲ھ میں عید الفطر کا دربار تھا حسب معمول نواب صاحب مغفور بوچے میں سوار ہو کر جارہے تھے۔ بوچہ میں نشست مانند کرسی کے ہوتی ہے چھت اس کی ڈھنکی ہوئی مثل مینس کے مگر مستطیل نہیں بلکہ قدرے مدور ہوتی ہے اور ہر دو جانب اوپر کے حصہ میں آئینے بھی نصب رہتے ہیں اس لئے اس میں بیٹھنے والا نظر آتا ہے اور بوچہ کے ہمراہی سپاہی جو خاص ڈریس کے بلند و بالا ملازم کئے گئے تھے وقت سواری اطراف بوچہ کے تھے۔ جس وقت بوچہ نواب صاحب مغفور کا چماری دروازے کے مقابل لاڈ بازار کے آغاز میں جس کا حال باب اول میں بیان کیا گیا ہے پہنچا تو ایک اجل رسیدہ نے بازار مذکور میں سے تاک کر بندوق سر کی۔ اس کی گولی بوچہ کے آئینہ کو توڑ کر مغفور کی

وغیرہ دو چار کوس بلدہ سے باہر جانا ہوتا تھا تو بازو پر ضامنیان باندھی جاتی تھیں اور بڑا اہتمام سفر ہوتا تھا۔ بس اس سے ظاہر ہے کہ ایسے حضرات سے تعلقات دور و دراز پر جانے کی امید کیونکر ہو سکتی تھی۔

الحاصل حسب ایمائے مغفور سررشتہ داروں نے بہت کچھ سمجھایا اور ترغیب عہدوں کی دی مگر مطلق اثر نہ ہوا۔ مغفور نے پھر یہ خیال فرمایا کہ اپنی ذات سے ہر منصب دار کی لیاقت کا اندازہ کر کے ہر ایک کو حسب لیاقت خدمت پر معمور کیا چاہئے۔ مگر اہل منصب خدمت کے نام سے ایسے خوفناک تھے کہ مدار المہام مغفور کے روبرو ہر ایک نے اپنی لیاقت کو چھپایا۔ باوجود استعداد آپ کو بے علم و بے سواد بتلایا۔ آخر کار مغفور نے دفتر صدر محاسبی پر اشتہار چسپاں کرا دیئے کہ منصبداروں میں سے جس کو استعداد فارسی ہے وہ تحصیلداری لے اور جس کو کچھ بھی نوشت و خواند فارسی یا تلنگی و مرہٹی ہو وہ اپنی کا عہدہ لے الخ

اس کے بعد چھ مہینے تک انتظار کیا گیا کہ منصبداروں کو توفیق ہوگی مگر اصلا نہ ہوئی۔ آخر کار ناچار پارسیوں کو اور اہل مدراس وغیرہ باہر کے لوگوں کو معمور فرمانے لگے۔ کیونکہ انتظام ضلع بندی کے لئے عہدہ داروں کی اور عملہ جات کی لامحالہ ضرورت تھی۔ اس وقت اہل ملک میں سے معدودے چند تحصیلداری وغیرہ پر معمور ہوئے ازاں جملہ میر عبدالسلام خاں صاحب ہیں جو بتدریج تحصیلداری سے ترقی کر کے صوبہ داری اور خطاب نواب مقتدر جنگ بہادر سے سرفراز ہوئے۔

کاغذ مہور و آبکاری و کروڑگیری وغیرہ تھے۔ بعد ازاں سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۲۷۵ف
میں بنا انتظام جدید کی ڈالی گئی یعنی جملہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے تعلقات
کو از سر نو چودہ ضلعوں اور تہتر تحصیلات پر تقسیم کر کے ہر ایک ضلع میں اول
و دوم و سوم تعلقدار۔ اور ہر تعلقہ میں تحصیلدار مع عملہ کافی اور عملہ مال و خزانہ و
تحصیل وغیرہ کے ساتھ معین کئے گئے ہر ایک سررشتہ کے عہدہ دار مجلس مال
مذکور بالا سے لے کر مجلس مال موقوف کر دی گئی اور نگرانی امور اضلاع
کے لئے ایک محکمہ مالگزاری بلدہ میں قایم ہوا۔ اس ضلع بندی
کے وقت مال اور پولیس وغیرہ کی خدمتوں پر مامور کرنے کے لئے منصبداروں
میں سے مغفور نے انتخاب فرمانا چاہا مگر کسی نے درخواست نہ کی۔ درخواست
کیسی بلکہ پریشان خاطر ہو گئے کہ ہم اپنا گھر اور عزیزوں کو چھوڑ کر جنگل میں
کیونکر جائیں چنانچہ مولف کے ایک دوست منصبدار میر ہدایت علی نام اسی
زمانہ میں اضافہ ماہوار کے مستدعی تھے۔ مغفور نے انہیں تحصیلداری پر جانے
کے لئے حکم تحریر فرمایا۔ یہ سنتے ہی منصبدار موصوف کو ہیبت سے بخار آ گیا
اور ان کے بزرگان و عزیزان گریہ و زاری کرنے لگے کہ ہمارا عزیز ہم سے جدا
ہوتا ہے۔ آخر کار سفارشیں پہنچا کر حکم تحصیلداری کو منسوخ کروایا۔

اس زمانے میں جدائی و سفر کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے اہل ملک
کی یہ کیفیت تھی کہ بغرض زیارات بزرگ مثل کوہ شریف یا درگاہ بابا شرف الدین

ان کا بھی امتحان اسی طرح لیا مگر انھیں اہل عدالت نہ پایا بلکہ معلمی کے لایق پا کر مدرسہ دارالعلوم میں مدرسی پر معمور فرمایا۔

مرقعۂ عبرت سے پیدا ہے کہ ان تمام انتظامات اور اصلاحوں کی تکمیل میں مغفور کو بڑی بڑی مشکلوں اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ جس قدر دقتیں اس وقت پیش آئیں ان کا استقلال کے ساتھ سامنا کرنا مغفور ہی کا کام تھا۔ اس وقت میں خانہ جنگیاں اور چوری ڈاکے ہوتے رہتے تھے۔ ۱۸۵۳ء میں ایک یورپین افسر مع اپنے اہل وعیال کے بڈھن خاں کی جاگیر پر سے جارہا تھا اس کو چوروں نے لوٹ لیا۔ روہیلوں کی غارت گری سے صدہا گاؤں تباہ ہوگئے تھے۔ اضلاع میں رہیلوں نے اس قدر ظلم وتعدی پر کمر باندھی تھی کہ مجبوراً ان کی سرکوبی کو کنٹنجنٹ کی فوج بہ ماتحتی مکنزی بھیجی گئی۔ آخرالامر وہ غارت گر گرفتار ہو کر بلدہ حیدرآباد میں آئے اور محبس میں داخل ہوئے مگر اس زمانے کا محبس تھا کہ چند روز میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مفرور ہوگئے۔ نواب صاحب مغفور نے ہر مفرور کی گرفتاری کے واسطے پچیس روپے انعام کا اشتہار دیا۔

اسی زمانے میں قلعہ پر روہیلے قابض ہوگئے تھے تو راجہ راؤ رنبھا کلاں متوفی کے فرزند رستم الدولہ بہادر منجانب سرکار عالی سرکردۂ فوج ہو کر ان پر گئے تھے مگر خلاف حزم واحتیاط متہورانہ سوار فیل قریب حصار وفصیل پہنچ گئے تھے کہ باغیوں نے بالائے حصار سے گولی ماری جس سے بہادر مذکور کا خاتمہ ہوگیا۔ چنانچہ ان کا مزار